ہنگامہ

دل آشوب

ہنگامۂ
دل آشوب

مرتبہ
سیّد قدرت نقوی

انجمن ترقی اردو
بابائے اردو روڈ۔ کراچی

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو شمارہ ۳۳۸

اشاعت اوّل	سنہ ۱۹۶۹ء
تعداد	ایک ہزار
طابع	انجمن پریس کراچی
قیمت	روپے

بیادِ غالب

غالب کی صد سالہ برسی پر
انجمن ترقی اردو کی پیشکش

فہرست

حرفے چند

حبیب الدین عالی معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو

غالب کی صد سالہ برسی پر انجمن نے مندرجہ ذیل کتابوں اور جرائد کی اشاعت کی گئی ہے۔

کتابیں:

- ہنگامۂ دلِ آشوب	مرتبہ سید قدرت نقوی
- فلسفۂ کلام غالب	ڈاکٹر شوکت سبزواری
- مہر نیمروز (اردو ترجمہ)	سید عبدالرشید فاضل
- غالب، ایک مطالعہ	پروفیسر ممتاز حسین
- غالب نام آور	سہ ماہی "اردو" کا انتخاب

جرائد:

- سہ ماہی اردو"	غالب نمبر
- ماہنامہ "قومی زبان"	غالب نمبر

ان کے علاوہ اس موقع پر چند اور کتابیں بھی شائع کی جارہی ہیں جن کا تعلق عام اردو ادب سے ہے۔

ہنگامہ دل آشوب یعنی زیر نظر کتاب کی کہانی دلچسپ ہے۔

جب برہان قاطع پر غالب کی تنقید چھپی تو اس کے خلاف اور اس کی موافقت میں مضامین

مباحثوں اور کتابوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جو کچھ دنوں بعد ہنگامہ بن گیا۔ اس میں غالب کے طرفدار تھے، سخن فہم بھی اور خود غالب بھی۔ بات یہاں تک بڑھی کہ غالب کے بارے میں بہت سی رکیک اور نازیبا باتیں بھی لکھی گئیں جن پر انہیں ازالۂ حیثیت عرفی کا دعویٰ کرنا پڑا۔

اس سلسلے کی سب سے ضخیم کتاب 'مؤید برہان' ہے جو آغا احمد علی جہانگیر نگری کی تصنیف ہے۔ اس کے جواب میں غالب نے اکتیس شعر کا ایک قطعہ لکھا، یعنی نثر کا جواب نظم میں دیا۔ یوں ایک اور ہی قضیہ پیدا ہو گیا یعنی بحث و تکرار کا رُخ نثر کے ساتھ ساتھ نظم کی طرف ہو گیا اور دونوں طرف سے بڑی گل افشانی ہوئی۔ ایسی بہت سی مخالف و موافق منظومات کو چند نثری تحریروں کے ساتھ دو حصوں کی ایک کتاب میں جمع کر دیا گیا۔ اسی کتاب کا نام "ہنگامۂ دل آشوب" ہے۔ یہ پہلی بار سنہ ۱۸۶۷ء میں چھپی اور اس کا چرچا بھی ہوا۔ مگر پھر لوگ اسے بھول گئے، اور اس کا تذکرہ معدوم ہو گیا۔

جب بیسویں صدی نے غالب کو پہچاننا شروع کیا اور ان کے کلام اور زندگی کے سب گوشوں میں دلچسپی لی جانے لگی تو قدرتی طور پر اس قضیہ کی یاد بھی تازہ ہوئی۔ غالب کے ایک شاگرد تھے سید باقر علی باقر جو اس ہنگامے میں شریک رہ چکے تھے۔ ان کے صاحبزادے سید عطا حسین صاحب نے ایک مختصر تمہید کے ساتھ 'ہنگامۂ دل آشوب' کو جنوری سنہ ۱۹۳۷ء میں سہ ماہی "اردو" میں چھپوا دیا۔

اتفاق سے پہلے اس کا متن کسی حد تک غلط چھپا تھا، اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ صحیح متن پیش کرنے کے ساتھ ساتھ متن کے بعض مبہم مقامات پر حواشی لکھے جائیں نیز متعلقہ شخصیات کا تعارف بھی کرا دیا جائے۔ میں ذاتی طور پر اس اصول کے حق میں نہیں ہوں کہ ہم غالب سے متعلق تمام شخصیات کا کھوج لگائے چلے جائیں جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے غالب کی فکری زندگی پر کوئی خاص اثر مرتب نہیں کیا تھا۔ مگر یہاں صورت حال دوسری ہے۔ ممکن ہے ان شخصیات میں سے سب نے غالب کی

فکری زندگی پر کوئی خاص اثر نہ ڈالا ہو، کیونکہ پورا قضیہ ان کے آخری زمانے میں شروع ہوا تھا لیکن یہ شخصیات اس لحاظ سے غیر معمولی دلچسپی کی حقدار ہو چکی ہیں کہ انہوں نے غالب جیسے بڑے ادیب کے ایک علمی معرکے میں حصہ لیا تھا۔

تعارف و حواشی کے لئے ہم سید قدرت نقوی صاحب کے ممنون ہیں جو برسوں سے غالبیات میں خاصا نام پیدا کر چکے ہیں۔ سید صاحب نے نہایت محنت سے متن کی تصحیح کی ہے اور دیباچے میں بڑی جامعیت کے ساتھ قاطع برہان پر بحث کی تفصیلات درج کی ہیں۔

تعارف، حواشی اور دیباچے کی وجہ سے زیر نظر کتاب کی ضخامت ۱۸۶۷ء والی کتاب سے تقریباً چار گنی ہو گئی ہے، اس لئے ہم نے یہ مناسب جانا کہ اسے "اردو کے انتخاب" میں شائع کرنے کے بجائے ایک الگ کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے۔ امید ہے کہ اس طرح تاریخ ادب کا ایک نہایت دلچسپ باب اپنی انفرادیت کے ساتھ محفوظ ہو جائے گا۔

مقدمہ

غالب کی مخالفت ان کے ابتدائی دورِ شاعری سے ہوتی آئی ہے، ابھی یہ آگرہ ہی میں تھے کہ ان کے کلام کو دیکھ کر مخالفت شروع ہوگئی تھی جس کا اظہار اس رباعی میں ملتا ہے۔

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل!

پہلے اس رباعی کا مصرع ثانی "ہوتے ہیں ملول اس کو سن کر جاہل" تھا جہل گوئی کا الزام ایک عام بات تھی۔ اسی الزام کی تردید میں کلام غالب کو میر تقی میر کی خدمت میں پیش کیا گیا اور ان سے رائے لی گئی۔ انہوں نے بھی مہمل گوئی کا خدشہ ظاہر کیا۔ آگرہ سے دہلی آئے۔ الٰہی بخش خاں معروف دہلی کے نواب، اچھے شاعر، شاہ نصیر کے شاگرد اور غالب کے خسر تھے۔ شاہ نصیر کی شاگردی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ذوق و مومن افقِ ادب پر نمودار ہو رہے تھے۔ غالب کا نہ کوئی استاد اور نہ مقبولِ انام انداز، کلام سن کر لوگوں نے اعتراضات کی بوچھار کر دی۔ بھرے مشاعرے میں حکیم آغا جان عیش کی پھبتی "مگر اپنا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے" کوئی معمولی بات نہ تھی مگر غالب ہر مرحلے میں غالب ہی رہے۔ کلکتے پہنچے۔ سخنورانِ

کلکتہ ان کی عزت وشہرت کو برداشت نہ کرسکے۔ بہر محفل کلام پر اعتراض کیے گئے۔ دوست احباب، حیران مگر غالب نے صاف کہہ دیا کہ میں زید آباد کے کھتری بچے کے قول کو نہیں مانتا بھی خواہوں اور قدر دانوں نے اعتراضات کے جوابات مع اسناد دیے۔ غالب نے اپنا مسلک نہ بدلا۔ احباب نے مصلحت کے پیش نظر مصالحت کا مشورہ دیا۔ ان کی صلح نے بھی باد مخالف کا روپ دھارا۔

دہلی لوٹے تو پھر وہی بزم آرائیوں میں دل آزاریاں ملیں، مشاعروں میں جانا چھوڑ دیا مگر اپنی روش نہ بدلی اور روش عام کی پیروی نہ کی۔ زندگی نشیب و فراز سے گزرتی رہی شاہی دربار سے وابستہ ہوئے تو حکماً جواں بخت کا سہرا کہنا پڑا مقطع تھا:

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں !
دیکھیں کہدے کوئی اس سہرے سے بڑھکر سہرا

مخالفین کی بن آئی۔ استاد ذوق سے کہا کہ یہ آپ پر چوٹ ہے۔ استاد نے سہرا کہا گانے والوں نے خوب مزے لے لے کر گایا۔ گلی کوچوں میں شہرت ہوگئی مقطع کا جواب تھا:

جس کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنادے اسکو
دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

ذوق کا سہرا غالب کے سہرے کے برابر نہ تھا مگر شاہ اور استاد شاہ کا معاملہ تھا غالب کو مصلحتاً قطعہ معذرت لکھنا پڑا اور کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے کے دعویٰ کے ساتھ "روسیاہ" کہنے سے نہیں چوکے۔ اس سے مراد خواہ کوئی ہو مگر ہے بہت پر لطف۔

۱۸۵۷ء میں اہل ہند نے انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کی۔ اس کے حالات دیدہ و شنیدہ غالب نے قلمبند کرنے کا ارادہ کیا اور ایک کتاب خالص فارسی میں "دستنبو" کے نام سے لکھی۔ اس کی تحریر سے جو وقت بچا وہ برہان قاطع اور دساتیر کے مطالعہ میں صرف ہوتا۔ برہان قاطع میں غالب کو بہت سی لغزشیں نظر آئیں۔ ان کو جمع کرکے "قاطع

برہان" کے نام سے چھپوا دیا۔ اس کتاب کا چھپنا تھا کہ جا بہ مقلدین اور مخالفین غالب نے چاروں طرف سے حملے شروع کردیئے اور یہ مخالفت غالب کی وفات تک جاری رہی۔ اسی مخالفت کے رد عمل میں معتقدین غالب نے کئی کتابیں لکھیں ان میں سے ایک نایاب کتاب "ہنگامۂ دل آشوب" حصہ اول و دوم ہے۔

"ہنگامۂ دل آشوب" قاطع برہان کے سلسلہ بحث سے متعلق ایک تصنیف ہے۔ غالب کے خطوط میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اس لئے خیال ہے کہ شاید غالب کو اس کا علم بھی نہ ہو۔ اس کا حصہ اول ۵ رذی الحجہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۱ر اپریل ۱۸۶۷ء میں اور حصہ دوم ۲۵ ر جمادی الاول ۱۲۸۴ھ مطابق ۸ ر جولائی ۱۸۶۷ء کو قصبہ آرا ضلع شاہ آباد میں چھپا۔ ہنگامۂ دل آشوب کا خارجی پس منظر تو ہم اوپر بیان کر آئے اب علمی و ذہنی پس منظر پر بھی اختصاراً روشنی ڈالتے ہیں۔ غالب کو اپنی فارسی دانی پر ناز تھا۔ یہ ناز انہیں "نفس مطمئنہ" کی بدولت حاصل ہوا تھا۔ جس کا ذکر انہوں نے خط بنام کلب علی خاں والیٔ رام پور میں کیا ہے :-

"بدو فطرت سے میری طبیعت کو زبان فارسی سے ایک لگاؤ تھا۔ چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھ کر کوئی ماخذ مجھ کو ملے۔ بارے مراد بر آئی اور اکابر پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا اور اکبرآباد میں فقیر کے مکان پر دو برس رہا۔ اور میں نے اس سے حقائق و دقائق زبان فارسی کے حاصل کئے۔ اب مجھے اس امر خاص میں نفس مطمئنہ حاصل ہے۔ مگر دعوئ اجتہاد نہیں۔" (مکاتیب غالب صفہ)

یہ "نفس مطمئنہ" کی دولت انہیں کلام اساتذہ کی بدولت حاصل ہوتی تھی (ہرمزد ثم عبدالصمد یقینی شخصیت نہیں جس کی طرف اس خط میں اشارہ ہے) کلام اساتذہ کے ساتھ ساتھ انہوں نے متداول لغات کا مطالعہ بھی کیا تو ان میں سے بیشتر کو غلط پایا۔ خاص کر

مذکورہ اقتباسات سے ظاہر ہے کہ بُرہان قاطع اغلاط اور جعلی الفاظ سے پُر ہے۔
غالب نے متعدد خطوط میں اپنی رائے ظاہر کی ہے:

"اس واماندگی کے دنوں میں چھاپے کی "برہان قاطع" میرے پاس
تھی، اس کو میں دیکھا کرتا تھا۔ ہزار ہا لغت غلط، ہزار ہا بیان لغو
عبارت پوچ، اشارت پادر ہوا۔ میں نے سو دو سو لغت کے اغلاط لکھ کر
ایک مجموعہ بنایا ہے اور قاطع برہان' اس کا نام رکھا ہے۔" (خطوط غالب ص ۸۵م)

'قاطع برہان' کے دیباچہ میں صاحب برہان قاطع' کی تمام لغزشوں کو ظاہر کیا ہے:

"جامع لغات نامہ بجین بمعنی سری دانزونہ برجوہر لفظ نظری رعایت۔
سیومین وچاہین از ہر لغت دافزودن شمارۂ لغات بہر صورت پیش نہاد
ہمت والای اوست۔ بنداں روش از برہم خوردن قاطع استخراج
پروا دارد، نہ دریں خواہش از اندراج یا فتن مہلات ننگ، ہر مصدر
نغیتیست ہر کلمہ مشتق لغتی۔ صدرہ آں بینی کہ مصدری را بر خی الاشتقاق
جلوہ دوہ یا افزودن بائے موحدۂ زایدہ سرتا سر گر بارہ لوزوا نہم کشادہ۔
چوں بدیں مایہ پر گوئی نیز دولش از عقدہ خالی نشد۔ نقد روی دست
بای عربی وکاف تازی دوبارہ در مشہد بائے پارسی وکاف فارسی طرح
اظہار نہاد۔ از قلت دامالہ و مد وقصر و سکون و حرکت و تخفیف و تصحیف
و پارسی و عربی و مفتوح و مکسور قطع نظر است۔ ہر لفظ باندک تبدل و
تغیر لغتی دیگر، و ہر لغت را بیانی دیگر است۔ کاش اکوشش بہی باشد
و آفریدن لفظہ آئین باشد۔ بشیر الفاظ غریب می آرد۔ و آنچہ نگفتنی
اندمی نگارد۔ چنانکہ کمال اسماعیل را "خلاق المعانی" لقب است،
ایں بزرگوار را "خلاق الالفاظ" خوانند، چہ عجب است۔"

اقتباسات بالا سے عیاں ہے کہ غالب نے برہان قاطع کے متعلق وہی رائے قائم کی تھی جو ایرانی محققین نے بعد میں پیش کی ہے۔ یہ رائے فارسی زبان پر گہری نظر رکھے بغیر نہیں دی جاسکتی تھی۔ غالب نے ضرور فارسی زبان وادب کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اسی کے طفیل انہیں نفسِ ناطقہ حاصل ہوا اور فارسی زبان وادب پر انہیں مثل اہل زبان کے عبور تھا۔ اس زبان میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی۔ ایک خط میں زبان پر اظہار رائے کرتے ہوئے اپنے متعلق لکھتے ہیں:

"فارسی میں مجھے مبداء فیاض سے وہ دستگاہ ملی ہے اور اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں جیسے فولاد میں جوہر" خطوط غالب صفحہ ۱۹۰

جب ہم غالب کے کلام نظم و نثر کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ واقعی غالب میں یہ خصائص موجود تھے۔ وہ فارسی فرہنگ نویسوں کے متعلق ابتدا ہی سے اچھی رائے نہیں رکھتے تھے ۱۸۲۵ء میں پنج آہنگ کے دو آہنگ ارتجالاً لکھے تھے۔ غالب اس زمانے میں بھرت پور کے نواح میں انگریزی فوج کے ساتھ تھے تقریب یہ تھی کہ انگریزوں نے بھرت پور کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ نواب احمد بخش خاں بہادر انگریزوں کی مدد کے لئے مع رسالہ ساتھ تھے غالب اور مرزا علی بخش خاں رنجور بھی ساتھ تھے۔ دونوں کا ایک ہی خیمہ میں قیام رہتا تھا۔ رنجور نے آداب خطوط نویسی سے متعلق غالب سے فرمائش کی۔ غالب نے دو آہنگ چند دن میں لکھ کر دیدیئے۔ ان میں آہنگ دوم، مصادر و متعلقات مصادر مصطلحات والفاظ مفردہ پر مشتمل ہے۔ اس آہنگ کی ابتدا میں بطور تمہید فارسی زبان پر اظہار رائے کرتے ہوئے فارسی فرہنگ نگاروں کے متعلق لکھا ہے:

"گویم فرہنگ نگاران سود مند نامہ ہا نوشتند و دلنشیں آئینہا باز نمودہ اند مراچہ براں وارد کہ بیہودہ سخن دراز کنم و خوش و ناخوش پردہ ہا ساز کنم اگر بہ آئین نگاری فزود آرم وانمودجی از انچہ در دل ست

بردن رزم جیب وکنار روزگار را از گہرہائے شہوار پر شود۔ فرہنگ نامہ ہائے کہن بشویند ونوشتہ مرا بردیدۂ دل نویسند۔ وعدہ باژ دہندۂ را از جز این قدر نیست کہ دریں آہنگ کہ دو میں حریر است از کلک غالبؔ مصدرے چند واصطلاحی چند ولغتی چند بروئے ہم نہم تا گنجور ایں گنجینۂ یعنی نگہدارندۂ ایں سفینہ بمشاہدۂ ادائے نگارش پالودہ گویاں بشگفت زار نیفتند و بخرام خامۂ دربیان آلودہ بیانان کج رو فریب نخورد۔ (کلیات نثر غالب ص۳)

غالب کا یہ نظریہ معرکۂ کلکتہ سے قبل کا ہے۔ چند سال بعد کلکتہ میں ان کے کلام پر اعتراضات ہوتے اور ایک ادبی نزاع نے جنم پایا اس میں بھی غالب نے فارسی نگارانِ ہند کی اختراعات وایجادات ونظریات کو تسلیم نہیں کیا۔ ۱۸۵۰ء میں انہوں نے مہر نیم روز لکھی۔ اس میں ترکی لغات کے تلفظ ومعنی سے اختصاراً بحث کی ہے یہ بحث مطبوعہ مہر نیم روز میں نہیں ہے۔ ۱۸۵۲ء کے مخطوطے میں موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے ان کی معلومات اور بالغ نظری پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں بے کاری کے عالم میں وہ اور برہانِ قاطع کا مطالعہ کرتے رہے اور برہانِ قاطع کے اغلاط حاشیہ میں لکھتے رہے۔ دستنبو سے فارغ ہوئے تو ان اغلاط کو نقل کیا۔ مزید مباحث کا آغاز کیا۔ یہ ایک کتاب بن گئے یہ کتاب قاطع برہان کے نام سے ۱۲۷۶ھ میں مکمل ہو گئی اور ۱۸۶۲ء میں طباعت کے مراحل طے ہوئے۔ اس کا منظر عام پر آنا تھا کہ ہر طرف سے مخالفت شروع ہو گئی۔ غالب نے اپنی کتاب "برہانِ قاطع" میں کچھ بذلہ سنجی، شوخی وظرافت سے کام لیا تھا۔ اس کو بنیاد بنا لیا گیا اور مطالب ومفاہیم کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ شوخی وظرافت کا جواب نہایت بیہودگی سے دیا گیا تھا۔ چنانچہ مفتی میر عباس نے اس کے متعلق یہ شعر لکھا تھا۔

ظرافت نے آفت کو برپا کیا

درشتی نہ کرنی تھی یہ کیا کیا؟

یہ حقیقت ہے کہ بحث متانت وسنجیدگی کا مقتضی تھا کیونکہ بحث خالصتاً علمی و تحقیقی تھی۔ اس میں شوخی وظرافت اور استہزا سے کام لینا مناسب نہ تھا، لیکن غالب اپنی طبیعت کی افتاد اور کچھ زمانے کے مذاق سے مجبور تھے۔ علاوہ ازیں جامد مقلدین نے غالب کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اور ان کے بدستور سے ان کے ساتھ جو مخالفانہ روش اختیار کر رکھی تھی۔ اس کے ردعمل کا تقاضا بھی یہی تھا۔ جو شوخی ظرافت اور استہزا کی صورت میں نمودار ہوا۔ ان کے کلام پر بے جا اعتراضات ہوتے رہتے تھے۔ ان کی روش پر نکتہ چینیاں کی جاتی تھیں۔ ان کے کلام کو مہمل اور زبان کو ادق بتایا جاتا تھا۔ غالب شاعر وادیب تھے ثقہ عالم تو تھے نہیں، اپنے "نفس مطمئنہ" کے ذوق کی روشنی میں جب ان ثقہ اور متفق علیہ محققان کی لغزشیں، کنہ الفاظ تک نارسائی، قیاس ورائے کی خامی وغلطی اور اصول وضوابط سے انحراف کا مطالعہ کیا ہوگا تو بے ساختہ ہنسی آگئی ہوگی۔ اس ہنسی کا اثر عبارت میں بھی ظاہر ہوگیا۔ اس شوخی، ظرافت اور استہزا کے عوامل دعواقب وعلل کی طرف غور کئے بغیر لوگوں نے مطعون کرنا شروع کردیا۔ گویا باسی کڑھی میں ابال آگیا۔ شوخی وظرافت کو آڑ بنا کر غالب کے خلاف خوب زہر اگلا گیا۔ مطالب ومفاہیم پر کسی نے بھی غور نہ کیا۔ غالب کے مخالفین میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو کتاب کے سمجھنے کا اہل ہو۔ میر مہدی مجروح کو غالب نے خود کتاب سمجھنے والے کے اوصاف لکھے ہیں:

> مگر یہ یاد رہے کہ جو صاحب اس کو دیکھیں گے ہرگز نہ سمجھیں گے۔ صرف "برہان قاطع" کے نام پر جان دیں گے۔ کئی باتیں جس شخص میں جمع ہوں گی وہ اس کو مانے گا، پہلے تو عالم ہو، دوسرے فن لغت کو جانتا ہو۔ تیسرے فارسی کا علم ہو اور اس زبان سے اسے لگاؤ ہو، اساتذۂ سلف کا کلام بھی بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھ یاد بھی ہو۔ چوتھے منصف ہو، ہٹ دھرم نہ ہو، پانچویں طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتا ہو، معوج الذہن اور کج فہم نہ ہو۔ نہ یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہوں گی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا
>
> (خطوط غالب ص۱۲۱)

اگر اس معیار پر مخالفین غالب کو پرکھا جائے تو کوئی بھی پورا نہیں اترتا۔ تحریری طور پر جن حضرات نے حصہ لیا ان کے نام اور تصنیفات کی کیفیت یہ ہے:

مخالف کتب	جوابی کتب
۱۔ محرق قاطع۔ از مولوی سعادت علی	۱۔ دافع ہذیان از مولوی نجف علی ۲۔ لطائف غیبی بنام میاں داد خاں سیاح بقلم غالب ۳۔ سوالات عبدالکریم از مولوی عبدالکریم (بمدد غالب)
۲۔ ساطع برہان۔ از مرزا رحیم بیگ میرٹھی	۴۔ نامہ غالب از غالب
۳۔ قاطع القاطع۔ از امین الدین دہلوی	غالب نے ان پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کیا تھا۔
۴۔ مؤید برہان از آغا احمد علی	۵۔ قطعہ فارسی و تیغ تیز از غالب
۵۔ قطعہ فدا سلہٹی، تیغ تیزتر۔ از فدا سلہٹی	۶۔ ہنگامۂ دل آشوب حصہ اوّل و دوم
۶۔ شمشیر تیزتر۔ از آغا احمد علی	از باقر علی باقر و فخرالدین حسین سخن دہلوی

غالب نے قاطع برہان میں کچھ مطالب و مفاہیم کا اضافہ کرکے بنام "درفش کاویانی" ۱۸۶۵ء میں طبع کرائی۔ ان تمام کتب پر تفصیلی تبصرہ طول عمل ہے البتہ ہنگامۂ دل آشوب پر ذرا تفصیلاً لکھا جاتا ہے۔

آغا احمد علی کلکتہ کے مدرسہ عالیہ میں مدرس تھے۔ ڈھاکہ کے رہنے والے تھے۔ ڈھاکے کا پرانا نام جہانگیر نگر ہے۔ اس لئے جہانگیر نگری کہلاتے تھے۔ ان کے آباء و اجداد اصفہانی الاصل تھے اسی نسبت سے خود کو ایرانی خیال کرتے اور نام کے ساتھ لفظ "آغا" اور "اصفہانی"

کا اضافہ موجب فخر خیال کرتے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کی مطبوعات کی تصحیح کیا کرتے تھے ایک تذکرہ "ہفت آسمان" مثنوی نگاروں کے متعلق لکھا تھا جسے سوسائٹی نے چھاپا تھا۔ انہوں نے غالب کی قاطع برہان کی تردید میں موید برہان لکھی فی الحقیقت قاطع برہان کی تردید میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں یہ کتاب اہم ہے۔ مدرسہ عالیہ اور ایشیاٹک سوسائٹی کا سارا کتب خانہ انہوں نے چھان ڈالا جب جاکر یہ کتاب لکھی۔ اور غالب نے جو کچھ لکھا، اپنے نفس مطمئنہ کی بدولت لکھا۔ موید برہان کے ۴۹۸ صفحات ہیں مطبع مظہر العجائب کلکتہ میں اُردو ٹائپ میں چھپی تھی۔ سال طباعت ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۶ء ہے اس میں محمد حسین دکنی جامع برہان قاطع، لالہ ٹیک چند بہار اور مرزا قتیل کی دل کھول کر تعریف کی گئی ہے کتاب کی تعریف میں متعدد حضرات سے تقاریظ اور تعریفیں لکھوائی تھیں مرزا کو جب کتاب کا علم ہوا تو صرف مطالب سے آگاہ ہو کر جوان کے ایک دوست نے خط میں لکھے تھے، فارسی میں ایک قطعہ لکھ کر آغا احمد علی کے پاس بھیجا۔ یہی قطعہ ہنگامۂ دل آشوب حصہ اول و دوم کی بنیاد بنا۔ غالب نے یہ قطعہ ۴ر دسمبر ۱۸۶۶ء سے پہلے پہلے لکھ کر چھپوالیا تھا۔ منشی حبیب اللہ خاں ذکا سے موید کی تردید کرانی مقصود تھی۔ انہیں ۴ر دسمبر کو لکھا ہے:

"پہلے یہ تو کہو کہ" درفش کاویانی اور وہ قطعہ جس کی پہلی بیت یہ ہے، تم کو پہنچا یا نہیں؟ اگر پہنچا تو مجھ کو رسید کیوں نہ لکھی؟

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخہ

درخصوصِ گفتگو تے پارس انشا کردہ است

اگر یہ پارسل پہنچ گیا ہے تو رسید لکھو اور دیباچہ ثانی جدید کی داد دو، اور اگر نہیں پہنچا تو مجھ کو اطلاع ہو کہ ایک نسخہ اور بھیجوں۔ (خطوط غالب ص۴۰۱)

ذکا کا جواب نہ ملا تو پھر ۱ار جنوری کے خط میں مفصل بات تحریر کی:

" صاحب! میں لعون الٰہی کثیر الاحباب ہوں۔ ایک دوست نے کلکتہ سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسۂ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ نام اس کا موید برہان ہے۔ اس رسالہ میں دفع کئے ہیں، تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکنی پر کئے ہیں۔ اور محرّر پر کچھ اعتراضات وارد کئے ہیں، اور اہل مدرسہ اور شعرائے کلکتہ نے تعریفیں اور تاریخیں بڑی دھوم کی لکھی ہیں۔ لیں بھائی میں نے اتنے علم پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوا لیا اور کئی ورق اس دوست کو اور دو چار جلدیں "درفش کاویانی" علاوہ اوراق مذکور بھیج دیئے۔ اسی زمانے میں تین چار ورق خوب یاد ہے کہ "درفش" کی جلدیں رکھ کر تم کو بھیجے ہیں۔ یا تو مجھے غلط یاد ہے۔ یا تم نے "درفش" کو کھول کر دیکھا نہیں۔ وہ اوراق مع "درفش" زینت طاق نسیاں ہیں۔ وہ ورق اس لفافے میں مکرر بھیجتا ہوں۔" (خطوط غالب ص۲۹۶)

گویا بغیر مطالعہ کتاب ہی یہ قطعہ قلمبند کیا۔ موید برہان غالب کے پاس فروری میں پہنچی تو وہ اس کا جواب لکھوانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کام کے لئے انہوں نے ذکا کو منتخب کیا۔ ۱۵ر فروری تک "موید برہان" غالب کو نہیں ملی تھی۔ کیونکہ ۱۵ر فروری ۱۸۶۷ء کے مکتوب میں اس کا ذکر نہیں ہے ۱۴ر مارچ ۱۸۶۷ء کے خط میں ذکر ملتا ہے۔ ان دونوں خطوں کے درمیان میں ایک خط غالب نے اور لکھا تھا جس کے جواب کا تقاضا ۱۴ر مارچ کے خط میں ہے۔ آمد ورفت ڈاک کی مدت زیادہ سے زیادہ دس پندرہ دن تصور کی جاسکتی ہے۔ پس غالب نے خط فروری کی آخری تاریخوں میں لکھا ہوگا۔ اس لئے موید کا پہنچنا بھی انہیں تاریخوں میں متوقع ہو سکتا ہے۔ ۱۴ر مارچ کے خط میں لکھتے ہیں:

" جان غالب! تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ ایک خط

میرا ضروری جواب طلب گیا ہواہے۔ اور آمدورفت ڈاک کی مدت گزرگئی
اس کا جواب تو سرکام چھوڑ کر لکھنا تھا۔ "موید برہان" میرے پاس بھی آگئی
ہے اور میں اس کی خرافات کا حال بقید شمار صفحہ وسطر لکھ رہا ہوں، وہ
تمہارے پاس بھیجوں گا۔ سٹرط مودت، بشرط آنکہ جانی نہ رہی ہو اور باقی ہو
یہ ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں، تم اس کا جواب لکھو۔ میرے بھیجے ہوئے اقوال
جہاں جہاں مناسب جانو درج کر دو۔" (خطوط غالب ص۳۲۵)

اس خط کی تحریر کے تین چار دن بعد ذکا کا خط آیا مگر امر ضروری کا ذکر نہ تھا جس
کا غالب شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ ۱۴ر مارچ سے پہلے کے خط میں بھی موید کی
تردید کے لئے یہی باتیں لکھی تھیں جو ۱۴ر کے مکتوب میں ہیں اور اس کے بعد ۱۸ر مارچ کے
خط میں پھر انھیں باتوں کا اعادہ کیا ہے:

"بندہ نواز! میں نے لکھا کہ "موید برہان" میرے پاس آگئی ہے۔ اور
میں اس کے اعتراضات کے جواب بہ نشان صفحہ وسطر ایک تختہ کاغذ لکھ
رہا ہوں بعد اتمام نگارش تمہارے پاس اس مراد سے بھیجوں گا کہ تم
از راہ عنایت "موید" کا جواب لکھو۔ میری نگارش جو لپند آئے اس کو
بھی جا بجا درج کر دو۔ تم نے اس درخواست کا جواب ہاں، نا، کچھ نہ
لکھا۔ اب عنایت فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھیے در ضرور لکھیے" (خطوط ص۴۶۶)

اس کے بعد غالب کا کوئی ایسا خط نہیں کہ جس سے معلوم ہو سکے کہ ذکا نے کیا
جواب دیا۔ آخر کار غالب نے موید کے جواب میں ایک کتاب مرتب کی جس کی کیفیت یہ
ہے کہ اس کے کل چونتیس صفحے ہیں۔ تمہید میں قاطع برہان کے معترضین کے متعلق اظہار
خیال ہے۔ موید برہان کے مولف آغا احمد علی کے متعلق لکھتے ہیں:

"عربیت میں امین الدین سے بڑھ کر فارسیت میں برابر، محش و

ناسزاگوئی میں کثرت سے جتنے الفاظ تذلیل کے ہیں۔ وہ چن چن کر میرے واسطے استعمال کئے۔ اور نہ یہ سمجھا کہ غالب اگر عالم نہیں، شاعر نہیں، آخر شرافت و امارت میں ایک پایہ رکھتا ہے۔ صاحب عزو شان ہے، عالی خاندان ہے، امرائے ہند، روسائے ہند، مہاراجگان ہند سب اس کو جانتے ہیں۔ رئیس زادگان سرکار انگریزی گنا جاتا ہے۔ بادشاہ کی سرکار سے "نجم الدولہ" خطاب ہے۔ گورنمنٹ کے دفتر میں "خاں صاحب بسیار مہربان دوستان" القاب ہے۔ جس کو گورنمنٹ خاں صاحب لکھتی ہے۔ اس کو سڑی اور کتا اور گدھا کیوں کر لکھوں۔ فی الحقیقت یہ تذلیل "بفحوائے عزت العلام اہانت المولیٰ" گورنمنٹ بہادر کی توہین اور وضیع و شریف ہند کی تحقیر ہے۔ میرا کیا بگڑا؟ مولوی نے اپنا پاجی پن ظاہر کیا۔ میں نے معلم امین بے دین کو شیطان کے حوالے کیا اور احمد علی کے الفاظ مذموم سے قطع نظر کیا اور ان کے مطالب علمی کا جواب اپنے ذمہ لیا۔"

اس کے بعد ستر فصلیں قائم کی ہیں۔ سولہ فصلوں میں مولوی احمد علی پر اعتراض اور ان کے اعتراضات کے جواب ہیں۔ آخری فصل میں "برہان قاطع" پر مزید اعتراض کئے ہیں۔ آخر میں سولہ ادبی سوالات کا استفتا ہے۔ شیفتہ، حالی، مولوی سعادت علی خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں نے استفتا کے جواب لکھے ہیں اور تصدیق و توثیق فرمائی ہے۔ "تیغ تیز" پہلی مرتبہ مطبع اکمل المطابع دہلی میں ۱۸۶۷ء میں چھپی۔

غالب کا یہ فارسی قطعہ اکتیس شعروں کا ہے۔ گر درحقیقت "موید برہان" جیسی کئی کتابیں بھی حسن تاثیر میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ یہ قطعہ جب مولوی احمد علی کے پاس پہنچا تو اس کے جواب میں مولوی عبدالصمد فدا سلہٹی کے نام سے ایک قطعہ شائع ہوا جس کے متعلق خیال ہے کہ مزور مولوی احمد علی نے لکھا ہے۔ فدا کا یہ قطعہ

دیکھ کر میدانِ ادب میں معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ غالب کے دو شاگرد مولوی باقر علی باقرؔ کالی اور سید فخر الدین حسین سخن دہلوی نے اسی زمین میں فدا کے قطعے کا جواب لکھ کر شائع کر دیا۔ یہ چاروں قطعے ہنگامۂ دل آشوب کے نام سے ۵ ذی الحجہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۱ اپریل ۱۸۶۷ء کو مطبع منشی سنت پرشاد آرہ میں چھپے۔ باقر و سخن کے قطعات کا جواب مولوی عبد الصمد فدا سلہٹی یا مولوی احمد علی نے لکھا اور پانچوں قطعات کو تیغ تیز تر کے نام سے چھپوایا۔ "تیغ تیز تر" اپریل ۱۸۶۷ء کے بعد چھپی ہے اور اس زمانے میں غالب کی "تیغ تیز" چھپ چکی تھی۔ اسی کے نام کو دیکھ کر "تیغ تیز تر" نام رکھا گیا تھا۔

باقر و سخن نے "تیغ تیز تر" میں مطبوعہ قطعے کے جواب میں قطعات لکھے۔ اگر ہنگامۂ دل آشوب حصہ دوم کی ترتیب کو پیش نظر رکھ کر یہ خیال کیا جائے کہ کلام کی ترتیب میں تقدم و تاخر نہیں کیا گیا تو باقر و سخن کے قطعات کے جواب میں سب سے پہلے جواہر سنگھ جوہرؔ نے اپنا قصیدہ بیانیہ لکھا ہے۔ جس کے جواب میں باقر و سخن نے قطعات لکھے۔ پھر فدا نے جوابی قطعہ لکھا تو باقر و سخن نے جواب الجواب میں قطعے لکھے۔ یہ بحث جاری تھی کہ منشی محمد امیر امیر لکھنوی نے ایک قطعہ اردو میں لکھا جس میں غالب کی حمایت کی گئی تھی اسی اثنا میں میر آغا علی شمس لکھنوی نے غالب کے کلام پر اعتراضات چھپوائے۔ اس کا بھی جواب سخن نے اردو میں اور باقر علی باقر نے فارسی میں لکھا۔ آغا علی شمس کی دو شاگرد مستری وزیرہ و طوائفیں تھیں۔ سنا ہے کہ انہوں نے بھی غالب کے کلام پر اعتراضات کئے تھے اور بحث میں حصہ لیا تھا۔ مشہور ہے کہ یہ بھی شمس ہی نے لکھے تھے۔ ویسے یہ دونوں بھی صاحب علم تھیں۔ ان کے اعتراضات کی تفصیل دستیاب نہ ہو سکی۔ شمس کا یہ مضمون اودھ اخبار لکھنؤ میں ۲۵ جون ۱۸۶۷ء کو شائع ہوا تھا۔ غرض ہنگامۂ دل آشوب حصہ دوم ۲۵ جمادی الاول ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۸۶۷ء کو مطبع منشی سنت پرشاد آرہ میں چھپا۔ ۱۱ اپریل ۱۸۶۷ء سے ۲۸ جولائی ۱۸۶۸ء تک کل مدت ایک

سونودن نثبی ہے جس میں یہ تمام تحریریں معرض وجود میں آئیں۔

جب مولوی احمد علی کے پاس "تیغ تیز" پہنچی تو انہوں نے اس کا جواب لکھا اور "تیغ تیز تر" والے پانچوں قطعے بھی شامل کئے اور "شمشیر تیز تر" کے نام سے چھپوایا۔ کتاب کی کل ضخامت ۱۲۲ صفحات ہیں۔ کلکتہ میں ۱۸۶۸ء میں چھپی اور اس پر قاطع برہان کی بحث کا خاتمہ ہوا کیونکہ غالب اس زمانے میں بے حد کمزور تھے۔ مختلف امراض کا حملہ ہورہا تھا۔ اسی عالم میں ۱۵ رفروری ۱۸۶۹ء کو وہ اس دارفانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

کیفیت مندرجات ہنگامۂ دل آشوب
(حصّہ اوّل)

ہنگامۂ دل آشوب میں پہلا قطعہ غالب کا ہے۔ بتیس شعر چھپے ہیں۔ ایک شعر اس میں شامل نہیں تھا جو میں نے مولانا مہر کی کتاب 'غالب' سے مقابلہ کرکے اضافہ کیا ہے اب کل اکتیس شعر ہیں۔ اس میں جو نثر خوبیاں اور زبان وبیان کی لطافت وعمدگی ہے وہ کسی اور کے قطعہ میں نہیں ہے۔ غالب نے اپنے قطعے میں زبان واہل زبان پر بحث کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ :

"آغا احمد علی نے ایران و کیچ مکران کے باشندوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ صر قند و بخارا کے ترکوں کو نظرانداز کر دیا ہے اور ہندوزادہ کو اپنا پیشوا بنا لیا ہے اور اہل ہند کو زباندانی میں مسلم جانا ہے۔ ہر کوئی اپنی جنم بھومی سے آشنا ہوتا ہے اس لئے آغا احمد علی جو بنگال میں پیدا ہوئے ان کا اپنے آبا واجداد کے وطن اصفہان پر ناز بے جا اور اس کے اظہار کا کوئی

فائدہ نہیں۔ جامع برہان قاطع محمد حسین دکنی، لالہ ٹیک چند بہار اور مرزا محمد حسن قتیل کی خوب تعریفیں کی ہیں اور اس بحث میں ان کے اقوال سے اسناد دی ہیں" اگر اہل ہند سے ایسی عقیدت ہے تو پھر میں بھی اہل ہند میں سے ہوں۔ مجھ سے کیوں بیزار ہیں۔ اہل ہند کی طرفداری کرتے وقت مجھے کیوں نظر انداز کر دیا؟ حالانکہ میرے کلام میں بھی خوبیاں ہیں۔ مجھے بُرا بھلا کہنے کو ثواب خیال کیا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر شاید شہرت کی خاطر میری مخالفت کا ہنگامہ کھڑا کیا ہے۔ صاحب علم ہوتے ہوئے گالیوں پر اُتر آتے ہیں۔ یہ تو بازاری لوگوں کا کام ہے۔ صاحب علم لوگوں کے لئے باعث شرم ہے۔ جامع برہان کا بدلہ مجھ سے لیا اور جو کام میں نے کیا تھا انہوں نے کیا۔ لیکن میں تو سپاہی زادہ ہوں۔ اس لئے میری باتیں سخت ہونی ہی چاہئیں۔ اگر انہوں نے میری تقلید کی ہے تو یہ امر قابل افسوس ہے۔ اگر میں نے برا کہا ہے تو اس میں بذلہ سنجی سے کام لیا ہے، اور یہ میری شوخی طبع کا تقاضا ہے۔ آغا احمد علی نے برہان قاطع کی تائید کی ہے۔ لیکن برہان و دلائل کا فقدان ہے۔ صاحب برہان کی سست نگاری یا تو ان کی نظر میں نہیں یا جان بوجھ کر اسے نظر انداز کیا ہے۔ میری توہین اور اپنی تعریف کر کے مجھے بھی اور خود کو بھی زمانے میں رسوا کیا ہے۔ مولوی احمد علی کی کتاب کو بنظر انصاف دیکھا جائے تو اس میں بہت سے معائب ہیں۔ بمعنی سے قطع نظر ترکیب الفاظ کو دیکھئے تو ظاہر ہے کہ شراب تو ہے نہیں مگر شیشہ و ساغر مہیا کر دیئے ہیں۔ اس کتاب سے متعلق قطعات تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھے خود بھی برا کہا ہے اور اپنے دوستوں کو بھی برا کہنے کا اشارہ کیا ہے۔ گویا جنگجو آدمیوں کو اس جنگ میں اپنا ساتھی بنا لیا ہے تاکہ

کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ جنگ اکیلے ہی نے کی ہے۔ انتہائی جوش و غضب میں
اس کا دل کھول اٹھا ہے۔ اسی لئے یہ تمام بیہودہ باتیں بیان کی ہیں۔
غصہ کی آگ صاحب غصہ کو پہلے جلاتی ہے اسی لئے اس کے دل میں
شرارے بھرے ہوتے ہیں۔ رشک و حسد کے بجز اور کوئی بات برا بھلا
کہنے کی نہیں ہے۔"

اس قطعہ میں زباندان و اہل زبان کی بحث قابل غور ہے۔ بظاہر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ غالب بھی ہندی نژاد تھے تو انہیں دوسرے ہندی نژاد فارسی دانوں کو برا بھلا کہنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟ دراصل یہ ایک نظریاتی بحث ہے اور اس میں بعض حقائق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر زبان کا ایک مزاج ہوتا ہے اور مزاج داں اہلِ زبان ہی ہوتے ہیں۔ زبان داں اس کا شناسا نہیں ہو سکتا۔ اس کا ثبوت متعدد واقعات سے ملتا ہے۔ غالب بھی اسی کے قائل تھے کہ قابل استناد استعمال اہل زبان ہے، زباندانوں کا کلام نہیں۔ خطوط میں اس نظریے کی وضاحت ملتی ہے۔ سرور مارہروی کے خط میں صاحب عالم کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بہرحال حضرت کو یہ معلوم ہے کہ میں اہل زبان کا پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کا منکر ہوں۔ جب تک قدما اور متاخرین میں مثل صائب و کلیم و اسیر و حزیں کے کلام میں کوئی لفظ یا ترکیب نہیں دیکھ لیتا اس کو نظم و نثر میں نہیں لکھتا۔" (خطوط غالب ص۲۸۰)

گویا استعمال اہل ہند سند نہیں۔ استعمال اہل ایران سند ہے۔ اس کی وضاحت نہایت تفصیل سے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دعویٰ اور چیز ہے اور کمال اور ہے۔ علم عربی اور شے ہے اور

فارسی کی حقیقت حال اور ہے۔ جلالائے طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ نے شیدائے ہندی کو ایک رقعہ لکھا عبارت اس وقت یاد نہیں آتی مگر مضمون اس کا کہ ایک دن مولانا عرفی علیہ الرحمۃ اور ابوالفضل میں مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرفی سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو بسرحد افراط پہنچا دیا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عرفی نے کہا کہ اس کو کیا کروگے کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ گھر کے بڈھوں اور بڑھیوں سے جو بات سنی فارسی میں سنی۔ شیخ گفت ما فارسی از انوری و خاقانی فرگرفتہ ایم و شما از پیر زناں آموختہ اید۔ عرفی فرمود، انوری و خاقانی نیز از پیر زناں آموختہ باشند۔"

"غالب کہتا ہے کہ ہندوستان کے سخنوروں میں امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ کے سوا کوئی استاد مسلم الثبوت نہیں ہوا۔ خسرو کیخسرو قلمرو سخن طرازی ہے، با ہم حشم نظامی گنجوی ہم طرح سعدی شیرازی ہے۔ خیر فیضی بھی نغز گوئی میں مشہور ہے۔ کلام اس کا پسندیدۂ جمہور ہے۔ دیکھو عبدالقادر بدایونی کیا لکھتا ہے" زہے سپاہی قالیبژ آرزو فقیرا ور شیدا اور بہار وغیرہم انہیں میں آگئے۔ ناصر علی اور بیدل اور غنیمت ان کی فارسی کیا؟ ہر ایک کا کلام بنظر انصاف دیکھیے، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟

منت اور مکین واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے۔ ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے شخص ہیں؟ خیر ہوں، فاضل کہلائیں، کلام میں ان کے مزا کہاں؟ ایرانیوں کی سی ادا کہاں؟ فارسی کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہے، اس میں پیروی قیاس ایک بلائے عام ہے۔ وارستہ سیالکوٹی نے خانِ آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے۔ بایں ہمہ

وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے، منہ کی کھاتا ہے۔ مولوی احسان اللہ ممتاز کو صنائع لفظی میں دستگاہ اچھی تھی۔ اس شیوہ و روش کو خوب برت گئے۔ فارسی وہ کیا جانیں؟ قاضی محمد صادق اختر عالم ہوں گے، شاعری سے ان کو کیا علاقہ؟ ایک بات حضرت کو اور معلوم رہے کہ ہندی فارسی والوں نے کمال کو وہم میں منحصر رکھا ہے۔"

اس کے بعد دوسرے خط میں اسی بیان کے سلسلہ میں ایک میزان شعر پیش کی ہے:

"حضرت صاحب عالم مجھ سے آزردہ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا۔ اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں۔ حضرت صاحب ان صاحبوں کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل اور واقف سے لے کر بیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔

رودکی و فردوسی سے لے کر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے۔ فغانی اور ایک شیوۂ خاص کا مبدع ہوا۔ خیال ہائے نازک و معانی بلند لایا۔ اس شیوے کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ! قالب سخن میں جان پڑ گئی اس روش کو اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا چربا دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرے میں ہیں۔ رودکی و اسدی و فردوسی، یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا اور سعدی کی طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے، تو اب طرزیں تین ٹھہری ہیں، خاقانی اور اس کے اقران، ظہوری اور اس کے امثال، صائب اور اس کے نظائر۔ خالصاً للہ

ممتاز واختر وغیرہم کا کلام ان طرزوں میں سے کس طرز پر ہے؟ بے شبہ فرمادیجئے کہ یہ طرز اور ہی ہے۔ بس تو ہم نے جانا کہ ان کی طرز چوکھی ہے، کیا کہنا ہے؟ اچھی طرز ہے، مگر فارسی نہیں ہے۔ ہندی ہے۔ دارالضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے ٹکسال باہر ہے۔ وادہ۔ ولدہ۔ انصاف۔ انصاف۔ (خطوط ص ۳۰۳)

غالب نے جو تقسیم کی ہے وہ اتنی جامع ہے کہ مولانا شبلی نے اپنی شعرالعجم میں بھی اسی کی پیروی کی ہے۔ اور اسی کے پیش نظر ادوار قائم کئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ غالب کا مطالعہ فارسی شاعری کے متعلق بہت وسیع اور گہرا تھا اسی طرح وہ فارسی زبان کے رموز و غوامض سے بھی آگاہ تھے انہیں علم تھا کہ جب سے ایران سے اہل زبان کی آمد و رفت کم ہوئی ہے۔ اہل ہند کن لوگوں سے فارسی اخذ کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

• آپ کا حکم بجالانے کو اپنا شرف جانتا ہوں اور عرض کرتا ہوں تعلقی اب ایسا ہوا کہ جب تک فرید آباد کا کھتری دیوانی سنگھ نام متخلص بہ قتیل، جس کو حضرت نے مرحوم لکھا ہے اس کی تصدیق نہ کرے، تب تک اس کا کلام قابل استناد نہ ہو # قتیل اساتذہ سلف کے کلام سے مطلقاً آشنا ہی نہیں۔ اس کے علم فارسی کا ماخذ ان لوگوں کی تقریر ہے کہ نواب سعادت علی خاں کے وقت میں مغربی ممالک کی طرف سے لکھنؤ میں آتے اور ہنگامہ آرا ہوتے۔ بیشتر سادہ کشمیری یا کابلی و قندھاری و کرانی احیاناً کوئی عامہ اہل ایران میں سے ہوگا، مانا کہ عظمائے ایران میں سے بھی کوئی ہوگا تقریر اور ہے تحریر اور ہے۔ اگر تقریر بعینہٖ تحریر میں آیا کرے تو خواجہ لبعزاط سے اور شرف الدین علی یزدی اور ملاحسین واعظ کاشفی (درطاہر وحید سے) یہ سب نثر میں کیوں خون جگر کھایا کرتے؟ وہ سب طرح کی

نثریں جو لالہ دیوانی سنگھ قتیل متوفی نے بتقلید اہل ایران لکھی ہیں، نہ رقم فرمایا کرتے ؟

یہ شخص مدعی ہے کہ کدہ کا لفظ سوائے پانچ چار اسم کے ساتھ ترکیب نہیں پاتا۔ پس آرزو کدہ اور دیو کدہ اور نشتر کدہ اور امثال اس نے جو ہزار جگہ اہل زبان کے کلام میں آیا ہے، وہ نادرست ہے ؟ میں اور آپ بیٹھیں اور اس کے خرافات پڑھے جائیں اور میں جو عرض کروں اس پر حضرت غور فرمائیں۔ تب معلوم ہو کہ یہ کتنا لغو اور فارسی دانی سے کتنا بیگانہ ہے (خطوط ص ۳۰۳)

اتنی صاف اور واضح باتوں کے بعد بھی غالب کو مورد الزام قرار دینا درست اور روا نہیں۔ فدا کے قطعے میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے کہ غالب بھی ہندی نژاد ہے۔

فدا کے قطعے میں غالب کی باتوں کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے لیکن بے بنیاد باتیں ہیں۔ غالب نے لکھا تھا کہ قاطع برہان کی تائید میں براہین و دلائل ناپید ہیں۔ فدا کے قطعہ میں اس کا جواب بھی ہے۔ لیکن غالب کا مقصود کسی نے بھی نہ سمجھا۔ غالب کا کہنا یہ ہے کہ میں نے جو اعتراضات کئے ہیں۔ ان کی سند اہل زبان کے کلام سے پیش کی جائے لیکن تمام مخالفین نے اسناد انھیں ہندی، فارسی گویوں بلکہ فرہنگ نگاروں کی کتابوں سے پیش کی ہیں۔ یہ بات اور ایتاً و ردایتاً غلط ہے۔ جس کے خلاف دعویٰ ہے اسی کا بیان شہادت میں پیش نہیں کیا جا سکتا اور سند قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سند میں مستند قول ہی پیش ہونا چاہیئے۔

غالب نے اپنے قطعہ میں ایک شعر یہ لکھا تھا:

غازیاں ہمراہ خود آورد از بہر جہاد
تا نہ پنداری کہ ایں پیکار تنہا کردہ است

لفظ غازی اور جہاد کو بنیاد قرار دے کر آغا احمد علی کو برحق ثابت کرنے کی کوشش

کی گئی ہے۔ یہاں بھی وہی قباحت ہے کہ غالب نے یہ بات بطور طنز لکھی تھی کہ ان لوگوں نے یہ کام بہ نیت ثواب و فریضۂ اہم سمجھتے ہوتے کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی اس شعر میں اسی بات کو ظاہر کیا ہے:

مطلب از بد گفتن من چیست؟ گوئی نیک مرد
مزد این کار از حق آمرزش تمنا کردہ است

اور زیر بحث شعر میں بھی اسی انداز سے گفتگو کی ہے، کہ اپنی کج بحثی کو جہاد کا درجہ دیتے ہوئے اپنے ساتھ اس جنگ میں اوروں کو بھی ملا لیا ہے گویا ان کو غازی بنا کر بزعم خود اس جہاد میں شریک کر لیا ہے۔ حالانکہ نہ یہ جہاد ہے اور نہ وہ غازی۔

باقر وسخن نے فلک کے قطعے کے جوابات لکھے ہیں اور اس کے اعتراضات کی تردید کی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دونوں نے خوب حق شاگردی ادا کیا ہے اور خوب داد سخن دی ہے۔ اپنی اپنی شعری صلاحیت اور علمی استعداد کا اچھا مظاہرہ کیا ہے۔

کیفیت مندرجات ہنگامۂ دل آشوب

(حصّہ دوم)

پہلا قصیدہ تیا نیہ جواہر سنگھ جوہر، شاگرد ناطق مکرانی کا ہے۔ دہلی سے ان کے آبا و اجداد لکھنؤ میں آبسے تھے۔ یہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ متوسل سخن میں مرزا ناطق مکرانی سے اصلاح لی۔ غالب نے اپنے قطعہ میں مکران والوں کو فارسی سے لاتعلق ظاہر کیا تھا اس لئے اپنے استاد کی حمایت منظور ہوئی۔ چنانچہ لکھا ہے:

آنکہ غالب طعنہ بر کرانیاں ہم میسزند
آگرہ شاید بجائے خود بخا را کردہ است

اس کا جواب ہم نے غالب کے نظریئے کے ضمن میں پیش کیا ہے۔ غالب یہ کہتے ہیں کہ اہل زبان کی پیروی ضروری ہے اور میں ان کی پیروی کرتا ہوں۔ ہندی فارسی دانوں کی نہیں۔ قتیل وغیرہ نے جو کچھ اخذ کیا وہ غیر ایرانیوں سے کیا اور وہ بھی ان کی بول چال سے۔ حالانکہ ادب میں بول چال نہیں بلکہ کلام اساتذہ کی پیروی ضروری ہے۔ اہل مکران اہل زبان نہیں ان کی بول چال کیونکر سند ہو سکتی ہے۔ یہی بات قطعہ میں لکھی ہے :

لیک در مکران را کہ در سند است واز ایران جدا
شامل اقلیم ایراں بے محابا کردہ است

جواہر سنگھ جوہر کا قصیدہ، مولوی احمد علی کی تائید و حمایت میں ہے۔ اگرچہ اس نظم کو کتاب میں قطعہ ہی لکھا ہے۔ مگر درحقیقت یہ قصیدہ ہے۔ سخن نے بھی اپنے جوابی قطعہ میں اسے قصیدہ ہی قرار دیا ہے۔

شاعر ہندی زباں منشی جوا ہر سنگھ نام
در قصیدہ پاسخ قطعات انشا کردہ است

جواہر سنگھ کے قصیدے کے جواب میں باقر سخن نے قطعے اپنے اپنے انداز میں خوب لکھے ہیں۔ اور جوہر کی فنی خامیاں نکالی ہیں۔ جوہر نے اپنے قصیدے میں یہ لکھا تھا :

علم وفضل اے دوستاں بر نطفۂ شیراز نیست
کس بہ صلب ورحم کے آخر ستمہا کردہ است

سخن نے اس کا جواب خوب دیا ہے :

آنکہ گوید پارسی موقوف بر شیراز نیست
من بگویم مدعی این سست دعوی کردہ است
از عجم در ہند تخم پارسی آمد بلے
خالقش در ہند از شیراز پیدا کردہ است

غرض جوہر کے قصیدے کے بالمقابل باقر و سخن کے قطعات بہت بہتر ہیں۔اور شاعرانہ صلاحیتوں کے آئینہ دار ہیں۔

تیسرا قطعہ فدا کا ہے۔جو اس نے باقر و سخن کے قطعات کے جواب میں لکھا ہے طرز و انداز پہلے قطعے کا سا ہے۔جوابات میں کبھی کوئی جان نہیں ہے اور اعتراضات بھی لچر ہیں۔

چوتھا قطعہ باقر کا ہے۔فدا کے قطعے کا جواب بڑی تفصیل و جامعیت سے لکھا ہے اس سے باقر کی قادرالکلامی اور علمی استعداد کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

پانچواں قطعہ سخن کا ہے یہ بھی فدا کے قطعہ کے جواب میں لکھا ہے سخن نے فدا کے اعتراضات کے جوابات خوب دیتے اور فدا کے قطعہ پر ایرادات کئے ہیں۔یہاں تک منظوم بحث ایک ہی ردیف و قافیہ میں ہوتی رہی یعنی "انشا کردہ است ثمنا کردہ است" ان اشعار کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حصہ اول

۱۔ قطعۂ غالب	۳۱ شعر
۲۔ قطعۂ فدا	۴۶ شعر
۳۔ قطعۂ باقر	۳۴ شعر
۴۔ قطعۂ سخن	۳۷ شعر
کل	۱۴۸

حصۂ دوم

۱- قصیدۂ جوہر	۴۰ شعر	
۲- قطعۂ باقر	۴۵ شعر	
۳- قطعۂ سخن	۱۹ شعر	
۴- قطعۂ فدا	۵۲ شعر	
۵- قطعۂ باقر	۶۹ شعر	
۶- قطعۂ سخن	۵۹ شعر	
کل	۲۸۵	
حصۂ اوّل	۱۴۸	
کل مجموعہ	۴۳۳ شعر	

ایک ہی ردیف و قافیہ میں ۴۳۳ شعر کی یہ بحث ایک کارنامہ ہے۔ اس قصیدے اور پانچ قطعات کے بعد ہنگامۂ دل آشوب میں منشی محمد امیر صاحب امیر کا اردو قصیدۂ بیانیہ ہے۔ جس میں انہوں نے فدا کے قطعے میں فنی خامیاں اور بیان کی غلطیاں خوب نکالی ہیں۔ غالب کی تعریف عمدہ طریقے سے کی ہے۔ قصیدہ روانی زبان و ادائے مطالب کے لحاظ سے بہت خوب ہے۔

اس منظوم بحث کے بعد میر آغا علی شمس لکھنوی کے مضمون کا جواب سخن نے اردو میں لکھا ہے۔ جس میں شمس کی علمی حیثیت بیان کی ہے۔ اپنی علمی قابلیت، اپنے اساتذہ اور شمس کے اساتذہ کا ذکر ہے۔ دہلی و لکھنؤ کا مقابلہ اور دہلی کی افضلیت و برتری کا اظہار ہے۔ کچھ لسانی بحث بھی آگئی ہے، جس کی ابتدا شمس نے کی تھی۔ شمس نے غالب کے بعض اشعار پر اعتراضات کئے ہیں سخن نے ان کا جواب بھی دیا ہے۔ شمس کی شاعرانہ صلاحیت کی آزمائش کے لئے دو غزلیں شکل ردیف وقافی

میں لکھ کر پیش کی ہیں کہ ان زمینوں میں غزلیں لکھ کر چھپوائیں۔ خاتمہ واستدعا میں مالکان اخبار سے اشاعت کی درخواست کی ہے۔ اس کے بعد ایک قطعہ تاریخ ولادت اور صنعت توشیح فارسی میں لکھا ہے۔ یہ خاصا مشکل کام ہے کہ اکثر مصرعوں سے بھی تاریخ نکلتی ہے اور ہر مصرع کے ابتدائی حرف کے اعداد جمع کرنے سے بھی سن ولادت برآمد ہوتا ہے۔

میر آغا علی شمس کے مضمون کا جواب مولوی باقر علی باقر نے فارسی میں لکھا ہے اور ایک ایک اعتراض کا مسکت جواب دیا ہے۔ لفظی تحقیق بھی اچھے انداز میں پیش کی ہے۔ قتیل کے کلام پر بڑے جامع اعتراضات کئے ہیں۔ اور خوب داد تنقید دی ہے۔ سب سے آخر میں صاحب مطبع کی طرف سے عبارت خاتمہ و اعلان ہے۔

اس تمام شعری و نثری بحث میں حسن کلام، و اظہار فن و خوبی تحقیق کے اچھے مظاہرے ہوتے ہیں اگرچہ اس بحث سے زیادہ علمی معاد کی صورت پیدا نہیں ہو سکی، لیکن طبیعتوں کے جوہر اور قادر الکلامی کی خوبی بخوبی ظاہر ہوتی، نیز باقر و سخن کی علمی استعداد کا پتا بھی چلتا ہے۔

یہ تھی کتاب کی حقیقت جس کے متعلق اختصار کے ساتھ کچھ عرض کیا ہے۔ اس کا متن اردو سہ ماہی بابت جنوری ۱۹۲۷ء میں کسی قدر غلط چھپا تھا۔ اس کی درستی میں بڑی دردسری مول لینی پڑی۔

توضیحات میں زیادہ تر صحت و وضاحت کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض شخصیتوں کے متعلق مقدمہ اور توضیحات ہی میں معلومات فراہم کردی گئی ہیں اور بعض اہم شخصیتوں میں سے جن کے حالات مل سکے۔ وہ الگ حصہ شخصیات میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔ بعض کے حالات کہیں سے بھی دستیاب نہ ہو سکے۔ مجبوراً ان کو نظر انداز کرنا پڑا۔

سید قدرت نقوی

پیش لفظ

بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم
مدیر سہ ماہی "اردو"

"قاطع برہان کے جواب اور جواب در جواب میں متعدد نظمیں اور نثریں لکھی گئی ہیں جو بعد میں دو رسالوں (یعنی ہنگامۂ دل آشوب حصۂ اول اور حصۂ دوم) کی صورت میں شائع ہوئیں اور اب بالکل نایاب ہیں۔ مولوی سید عطا حسین صاحب ایم۔ اے نے بڑی تلاش اور کوشش سے دونوں رسالے بہم پہنچائے جو انھوں نے ہمیں اشاعت کے لئے عنایت فرمائے ہیں جس کے لئے ہم صاحب موصوف کے بہت شکر گزار ہیں۔ یہ دونوں رسالے سید صاحب کے مختصر دیباچے کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں۔

دیباچہ

سیّد عطاحسین - ایم - اے

غدر کے زمانے میں حضرت غالب کو اپنے مکان میں بند ہو جانا پڑا اور آمد و رفت اور دوستوں کی ملاقات ان کے لئے محال ہو گئی۔ اس زمانے میں ان کے پاس دو کتابیں وساتیر[1] اور برہان قاطع تھیں۔ جن کو دیکھ کر وہ دل بہلایا کرتے تھے۔ برہان قاطع کے مطالعے میں انہیں جہاں جہاں غلطیاں نظر آئیں ان کو بطور یاد داشت کے قلم بند کرتے گئے اور ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دے کر اور قاطع برہان نام رکھ کر ۱۲۷۶ھ ہجری[2] میں شائع کیا۔ ہر چند کہ اس کتاب کے دیباچے میں اس کی اشاعت کی غایت کا اظہار صاف کر دیا تھا[3]۔

"چوں آں سفینہ (برہان قاطع) گفتارہائے نادرست داشت و
مردم را از راہ می برد و من آیئن آموزگاری داشتم بر بیروان خود دم دل
سوخت جادہ نمایاں ساختم تا بیراہہ نپویند[4]۔

اس پر بھی اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ہر چار طرف سے مخالفت کا طوفان برپا ہو گیا تھا اور برسوں یہ ہنگامہ جاری رہا۔ قاطع برہان کے رد میں کتابیں لکھی گئیں اور شائع کی گئیں۔ قاطع القاطع[5]، محرق قاطع، ساطع برہان، وغیرہ۔ حضرت غالب نے بعض کا جواب لکھا اور بعض کی جانب توجہ نہیں کی۔ آخر میں کلکتے کے مولوی احمد علی صاحب احمد تخلص نے قاطع برہان کے رد میں ایک کتاب موسوم بہ "موید برہان" شائع کی۔ مولوی

احمد علی صاحب مرحوم اصفہانی الاصل تھے ان کے اجداد میں سے ایک بزرگ نے ڈھاکے میں سکونت اختیار کی تھی۔ مولوی صاحب کا مولد ڈھاکہ تھا لیکن اپنے متاغل کے باعث کلکتے میں سکونت پذیر ہوئے۔ نہایت ذی وجاہت شخص تھے اور کلکتے کے نہایت ممتاز لوگوں میں ان کا شمار تھا۔ مرزا قتیل کے پیرو تھے اور فارسی لغات اور اصطلاحات شعرا میں "برہان قاطع" کو اور لالہ ٹیک چند بہار کی "بہار عجم" کو مستند خیال کرتے تھے۔ "موید برہان" لکھ کر کلکتہ اور نولو کے بہت سے فارسی خوان دوستوں سے تقریظیں اور قطعات لکھوائے اور اس کے ساتھ ان سب کو بھی شائع کیا۔ حضرت غالب کی نظر سے جب یہ کتاب گزری انہوں نے جواب میں "تیغ تیز" لکھی اور اس کے ساتھ ایک فارسی قصیدہ بھی لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

مولوی احمد علی، احمد تخلص، نسخہ
درخصوص گفتگوئے پارس انشا کردہ است
کیچ وکران راکہ درسند است وازایران جدا
شامل اقلیم ایران بے محابا کردہ است
قوم بنگ را بہ ایرانی نژاداں دادہ خلط
ترک تر کانِ سمرقند و بخارا کردہ است
ہندیان را در زبان دانی مسلم داشتہ
تا جہ اندر خاطر والائے او جا کردہ است
ہر کہ بینی با زبانِ مولد خود آشنا است
ساز نطق مولد احمد بے جا کردہ است
خواجہ را از اصفہانی بودن آبا چہ سود
خالقش در کشور بنگالہ پیدا کردہ است

با قتیل وجامع برہان ولادہ ٹیک چند
لابہ و سوگیری و لطف و مدارا کردہ است

تیغ تیز کا تو شاید کوئی جواب نہیں دیا گیا اور اس قطعہ کا جواب بھی مولوی احمد علی صاحب نے خود نہیں دیا بلکہ ان کی ایما سے ڈھاکہ کے رہنے والے ان کے ایک شاگرد مولوی عبدالصمد متخلص بہ فدا نے ایک قطعہ لکھا اور شائع کیا جس کے ابتدا کے تین اشعار یہ ہیں:

فرق حق و باطل اے صاحب نظر بشنو ز من
گر ترا جویائے حق ایزد تعالیٰ کردہ است
دید چوں "غالب" موید آن کتاب لاجواب
کش بعد تحقیق املا ہادی ما کردہ است
قطعہ در پوزش کردار خود ترتیب داد
گاہ در روے فخر گہ لطف و مدا کردہ است

مولوی عبدالصمد فدا کے اس قطعے کے جواب میں ایک قطعہ حضرت باقر نے اور ایک قطعہ مولوی خواجہ سید فخر الدین حسین، سخن دہلوی نے لکھا اور ان دونوں قطعوں کو حضرت غالب اور مولوی عبدالصمد فدا کے قطعات کے ساتھ ایک رسالے کی شکل میں "ہنگامۂ دل آشوب" کے نام سے آرہ میں منشی سنت پرشاد کے مطبع میں ذی الحجہ ۱۲۸۳ ہجری (۱۸۶۷ء) میں طبع کرایا۔ اس کے شائع ہوتے ہی منشی جواہر سنگھ جوہر لکھنوی نے (جو مرزا تافتہ گرانی کے شاگرد تھے) ایک قطعہ (قصیدہ) حضرت غالب کے خلاف اور مولوی احمد علی کی تائید میں لکھا اور مولوی عبدالصمد فدا نے حضرت باقر کے قطعے کے جواب میں ایک قطعہ شائع کیا اور اسی قطعہ میں حضرت سخن کے قطعے کا بھی جواب دیا۔ ان دونوں قطعات کے جواب میں ایک ایک قطعہ

حضرت باقر نے اور ایک ایک قطعہ حضرت سخن نے لکھا۔ ان کے علاوہ لکھنؤ کے ایک شاعر منشی امیر احمد (محمد امیر) المتخلص بہ امیر لکھنوی نے اُردو میں ایک قطعہ (قصیدہ) حضرت غالب کی تائید میں لکھ کر اودھ اخبار میں شائع کیا۔ ان سب کے علاوہ لکھنؤ کے ایک شاعر میر آغا علی متخلص بہ شمس (شاگرد قاضی محمد صادق خان بہادر اختر ولد قاضی لعل محمد باشندہ ہوگلی شاگرد مرزا قتیل) نے اردو نثر میں (مضمون) لکھ کر اودھ اخبار نمبر ۲۶ مورخہ ۲۵/جون، ۱۸۶۷ء میں شائع کیا جس میں قاطع برہان پر اعتراض کے سلسلے میں حضرت غالب اور ان کی اُردو شاعری پر نہایت رکیک اعتراضات کئے۔ یہ مضمون چونکہ نثر میں تھا اس لئے اس کا جواب حضرت سخن نے اُردو نثر میں اور حضرت باقر نے فارسی نثر میں لکھا اور ان جملہ قطعات اور ان دونوں نثری مضامین کو ترتیب وار جمع کر کے خواجہ سیّد فخرالدین حسین صاحب نے آرہ کے اسی مطبع میں بنام "ہنگامۂ دل آشوب، حصۂ دوم جمادی الاول ۱۲۸۴ ہجری (۱۸۶۷ء) میں شائع کیا۔ حضرت غالب کی رحلت ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ ہجری کو واقع ہوئی۔ یہ رسالہ ان کی رحلت سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل طبع ہوا۔ اور غالباً قاطع برہان کے جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ اسی پر ختم ہوا ہے۔

سیّد عطا حسین

ہنگامۂ دل آشوب

حصّہ اول

نقل سرورق

ماشاءاللہ

دو تا قطعہ بجواب قطعہ مولوی عبدالصمد صاحب فدا
تخلص، شاگرد مولوی احمد علی صاحب

موسوم بہ

ہنگامۂ دل آشوب

از نتائج افکار جناب مولوی سید محمد باقر علی صاحب، تخلص
با قسرو جناب خواجہ سید فخرالدین حسین صاحب دہلوی سخن تخلص تلامذہ
حضرت جناب نجم الدولہ دبیرالملک نواب اسداللہ خان بہادر نظام جنگ
غالب تخلص، مدظلہ العالی۔ حسب فرمائش صاحبان ممدوح الصدر

بمقصبہ آرہ

درمطبع منشی سنت پرشاد باہتمام منشی جے گوبند سہائے طبع گردید
سنہ ۱۸۶۷ء

دیباچہ

خواجہ فخرالدین حسین سخن

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

یارب! این چہ ہنگامۂ دل آشوب واین چہ دلخراش خروش است کہ بنگالی نژادان بہ پیکار حضرت غالب نامور کمر بستہ اند۔ وبر درازدستی بیجا دلہائے عالمیان شکستہ ازین گرمئ ہنگامہ لفسم در تاب است۔ واز آتش این غم جگرم کباب۔ مولوی احمد علی احمد تخلص کہ بہ گفتار ناروا تائید "برہانؔ" کرد زخمے بر جگر جہانیان زد وعبدالصمد کو چک ابدالش کہ ہنجار طبعی کارسوقیان نمود ہم بر آن زخم جگر نمک سود۔ اکنون جوابیکہ بپاسخ عبدالصمد فدا بدقت طبع وقاد جناب مولوی سید باقر علی صاحب وہم بفکر این ہیچمدان سید فخرالدین حسین سخنؔ قلم برداشتہ نگاشتہ آمد مع ہر دو قطعہ بحضرات فرزانگان سخن سرائے وسخن سرایان سخنور ستائے ارمغان است تا داد سخن دہند وسوگیری مدعی یکسو نہند۔

قطعۂ غالب

نخستین قطعہ ریختۂ خامۂ جادو بیان حضرت فلک مرتبت، کیوان منزلت، وحید عصر، علامۂ دہر، فرمان فرمائے ملک معانی، شہنشاہ اقلیم سخندانی، جناب مستطاب، معلی القاب، جدنا الامجد، استاذنا و مولانا، نجم الدولہ، دبیر الملک، نواب اسد اللہ خان بہادر، نظام جنگ، المعروف بہ مرزا نوشہ، غالب تخلص، اعلی اللہ تعالی درجاتہم، و مد ظلال جلالہ، بخدمت مولوی احمد علی صاحب فرستادہ آمد۔

۱۔ مولوی احمد علی ، احمد تخلص نسخۂ
درخصوص گفتگوئے پارس انشا کردہ است

۲۔ کیچ و مکران را کہ در سند است واز ایراں جدا
شامل اقلیم ایراں بے محابا کردہ است

۳۔ قوم بریچ را بہ ایرانی نژاداں دادہ خلط
ترک، ترکان سمرقند و بخارا کردہ است

۴- درجہاں تو ام بود روئے دے دلپسندِ قتیل
مپشوایئے خویش ہندو زادۂ را کردہ است

۵- ہندیاں را در زباں دانی مسلّم داشتہ
تاچہ اندر خاطرِ والائے اوجا کردہ است؟

۶- خوش برآمد با ہمہ ہندوستاں زایاں چہ خوش
تکیہ آرے بر ولادت گاہِ آبا کردہ است[۸]

۷- ہر کہ بینی با زبانِ مولدِ خود آشنا است
ساز تعلق موطن[۹] اجداد بیجا کردہ است

۸- خواجہ را از اصفہانی بودنِ آبا چہ سود
خالقش در کشورِ بنگالہ پیدا کردہ است

۹- با قتیل و جامع برہان و لالہ ٹیک چند
لابہ و سوگیسری و لطف و مدارا کردہ است

۱۰- داوری گاہے بنا فرمودہ در روئے ہر سہ را
منصف و صدر امین و صدرِ اعلیٰ کردہ است

۱۱- گرچنیں با ہندیاں دارد تولّا در سخن
من ہم از ہندم چرا از من تبرّا کردہ است

۱۲- میلِ او با ہر کسے از ہند و حیفش خاص من
حیف و میلے با دو عالم شور و غوغا کردہ است[۱۰]

۱۳- کردہ است از خوبی و گفتارِ من قطعِ نظر
ظلم زیں قطعِ نظر ہر چشمِ بینا کردہ است

۱۴- مطلب از بدگفتن من چیست گوئی نیک مرد؟
مزد این کار از حق آمرزش تمنا کرده است

۱۵- در چنیں بنود، چناں باشد کہ در عرض کمال
تا بہ آرد نام این ہنگامہ برپا کردہ است

۱۶- صاحب علم و ادب، و آنگہ ز افراط غضب
چوں سفیہاں دفتر نفرین و ذم وا کردہ است

۱۷- در جدل دشنام، کار سوقیاں باشد بلے
ننگ دارد علم زاں کاریکہ آغا کردہ است

۱۸- انتقام جامع "برہان قاطع" می کشد
انچہ ما کردیم باوی خواجہ با ما کردہ است

۱۹- من سپاہی زادہ ام، گفتار من باید درشت
واۓ بروۓ گر بتقلید من اینہا کردہ است

۲۰- زشت گفتم لیک داد بذلہ سنجی دادہ ام
شوخیٔ طبعے کہ دارم این تقاضا کردہ است

۲۱- می کند تائید برہاں لیک برہاں ناپدید
نیست جز تسلیم قولش ہرچہ انشا کردہ است

۲۲- سستیٔ طرز خرام خامۂ برہاں نگار
یا نمی دانست یا دانستہ اخفا کردہ است

۲۳- بہر من توہین و بہر خویش تحسیں جابجا
ہم مرا ہم خویش را در دہر رسوا کردہ است

۲۴- آید و بیند ہمہ اندر کتاب مولوی
ہرچہ از ہنگامہ گیراں کس تماشا کردہ است

۲۵- لغو و حشو و ادعائے محض و المناب حمل[۱۶]
مار و موش و سوسمار و گربہ یکجا کردہ است

۲۶- بگذر[۱۷] از معنی ہمیں الفاظ برہم بستہ بیں
بادہ نبود شیشہ و ساغر مہیا کردہ است

۲۷- یافتم از دیدن تاریخہائے آں کتاب
خود بدم گفت و باحباب خود ایما کردہ است

۲۸- غازیاں ہمراہ خویش[۱۸] آورد از بہر جہاد
تا نہ پنداری کہ ایں پیکار تنہا کردہ است

۲۹- جوش زد از غایت قہر و غضب خون[۱۹] در دلش
تا زبانش را بدیں کلپترہ گویا کردہ است

۳۰- آتش خشمے کہ سوزد صاحب خود را نخست
در دلش ہمچوں شرر در سنگ ماوا کردہ است

۳۱- چوں نباشد باعث تشنیع جز رشک و حسد
باد غالب خستہ تر گر خستہ پروا کردہ است

قطعۂ فدا

دو مین قطعہ کہ مولوی احمد علی صاحب بجواب قطعہ حضرت غالب نگاشتہ از نام عبدالصمد فدا شاگرد خود شہرت داد۔

۱۔ فرق حق و باطل اے صاحب نظر بشنو ز من
گر ترا جویائے حق ایزد تعالیٰ کردہ است

۲۔ دید چوں غالب "موید" آں کتاب لاجواب
کش بصد تحقیق املا ہادی ما کردہ است

۳۔ قطعہ در پوزش کردار خود ترتیب داد
گاہ در دے فخر و گہ لطف و مدارا کردہ است

۴۔ گفتگو یالائے طاق از اصل مضمون کتاب
ہرزہ گوئی ہر چہ دارد بے محابا کردہ است

۵۔ گاہ می گوید ز فخر و کبر و عجز و انکسار
ہم مرا ہم خویش را در دہر رسوا کردہ است

۶۔ گاہ فرماید ہمیں از غایت رشک و حسد
مار و موش و سوسمار و گربہ یکجا کردہ است

۷۔ نانپنداری ساکت گشت غالب از جواب
در زمین قطعہ ساز شور و غوغا کردہ است

۸۔ حیف مرزا شد چرا زیں ساں سراسر بوالفضول
کبر و زعمش عیب اورا آشکارا کردہ است

۹۔ من کیم ؟ عبدالصمد، در شعر نام من خدا
شہر سلہٹ مولدم ایزد تعالیٰ کردہ است

۱۰۔ من یکے از کمتریں خدام آغا احمدم
چوں بدیدم معترض ایں شکوہ بیجا کردہ است

۱۱۔ پاسخ اقوال بیجا لیش نوشتم بے رنگ
کردہ ام تبطیل ہر یک انچہ ایما کردہ است

۱۲۔ من بحسنت ابلہ فریبی ہائے او ظاہر کنم
نام اکثر کرد اخفا بعض را وا کردہ است

۱۳۔ از سروری قوسی د فرہنگ ہائے معتبر
ہر چہ ہست اندر اولہ جملہ اخفا کردہ است

۱۴۔ یادیم قول بہار [۱۴] آورد چوں در بعض جا
می نولیسد احمد اورا صدر اعلیٰ کردہ است

۱۵۔ دستادے ماہر فن گر تحکم شد قبیح چیست
چوں نگارش را باہل پارس ہمتا کردہ است

۱۶۔ وائے بر وے شد چناں بیہوش از جام غرور
داد جورا از گروہ دادگر وا کردہ است

۱۷- بازمی گوید که احمد سستی برہاں نگار
یا کہ معنی دانست یادانستہ اخفا کردہ است

۱۸- گربدے اخفائے حق منظور او را پس چرا
سہو برہاں چند جانے کو ہویدا کردہ است

۱۹- لبسلّو و ابشارکجش، آوندی و دیگر لغات
کن تماشا گرخدایت چشم بینا کردہ است

۲۰- درکسے بندّ کتابش درج گوید بالیقیں
در و لعل و عسجد و یاقوت یکجا کردہ است

۲۱- حبذا اعجاز خوش درکار بردہ استاد
ہم لغت ہم صرف و نحو و شعر انشا کردہ است

۲۲- ہم دراں قطعہ دگرہ گوید آفتاتے مرا
ننگ شعوار و علم زاں کاریکہ آغا کردہ است

۲۳- لیک اے یاراں بگوش ہوش خود ہاں جا دہید
ہرچہ از تحقیق الملا خامۂ ما کردہ است

۲۴- فاضلان و شاعران کشور ایران و تور
بر زباں دارند ایں مطلع کہ سرما کردہ است

۲۵- ننگ شعوار و علم از کارے کہ مرزا کردہ است
رنگ دار و علم از کاریکہ آغا کردہ است

۲۶- ہم بہ احمدی نگار و سیر زائے سالخورد
ساز نطق موطن اجداد بیجا کردہ است

۲۷- این اگر بیجا بود اے ناظران باخرد[29]
غالب ہندی چرا در فرس انشا کردہ است

۲۸- نیک می دانند دانایان تحقیق آشنا
کز مجیب و معترض کہ کار بیجا کردہ است[30]

۲۹ میرزا را از بخارا بودن آبا چہ سود
خالق او را چوں بملک ہند پیدا کردہ است[31]

۳۰- زشت گوئی را چو کار سفلہ داند پس چساں
نامیان ہند را دشنام بیجا کردہ است

۳۱- عذر بد گفتن بود او را سپاہی زادگی
خوش جوابے از سپاہی زادہ پیدا کردہ است

۳۲- جد آغا بد سپہ سالار فوج نادری
خواجہ غافل زاں سبب این سست دعوی کردہ است

۳۳- مصرع دیگر طرازد غالب زیبا بیان
تا بر آرد نام این ہنگامہ برپا کردہ است[32]

۳۴- اوستادم بہر نام این کار خود نگرفتہ پیش
مردہ را جاں داد، حقا کار عیسیٰ کردہ است

۳۵- بشنوید اے دوستاں آخر خدارا بشنوید
حضرت غالب با حمد این چہ ایما کردہ است

۳۶- می کند تائید برہاں لیک برہاں ناپدید[33]
دز برائے خویشتن توصیف جا ہا کردہ است

۳۷- داد زین ناراستی ، فریاد زین ناراستی
هرکہ دیدہ نسخہ راکے باورایہا کردہ است

۳۸- ہریک از اقوال احمد باسند ہا می شنید
اوستادم خودستائی ہچو اوتا کردہ است

۳۹- ہرکلام ہرزہ وا قوال پوچ وبے نشاں ؎
واتے غالب خویشتن راخوار ورسوا کردہ است

۴۰- شیخ را دانم کہ علم وفضل او بہرہ نکرد
نخوت وکبر یکہ دارد این تقاضا کردہ است

۴۱- چوں نظر انداخت بر تقریظ ہائے آں کتاب
دوستان احمدی را دہ چہ ایما کردہ است

۴۲- غازیان ہم راہ خود آوردہ از بہر جہاد
تا نہ پنداری کہ این پیکار تنہا کردہ است

۴۳- دوستان احمدی غازی و پیکارش جہاد
حق بدست کیست ظاہر در معما کردہ است

۴۴- جنگ غازی با کہ باشد درجہاں داند خلق
حیف خود را از زبان خویش رسوا کردہ است

۴۵- چیست جزاین موجب خورسندی توائے فدا
اوستادت خواجہ را تعلیم جاجا کردہ است

۴۶- گر بظاہر او کند انکار لیکن خصیتاً
لامحالہ وردِ جانش ہرسخن راکردہ است

———•———

قطعۂ باقر

قطعہ بجواب قطعۂ عبدالصمد فدا رشحۂ کلک گہربار جناب مولوی باقر علی صاحب باقر تخلص، تلمیذ حضرت غالب مدظلہ العالی۔

۱- ہاں! تماشائے، سخندانان معنی آشنا
انکہ یا فصحے ہنگامہ برپا کردہ است

۲- ماجرائے طرفہ باشد، قصّہ باشد عجیب
زاغ پیش بلبلے سر شور دعوغا کردہ است

۳- صعوہ باشہباز گرم رزم شدنے نے غلط
روبہے با شیر جنگ فتنہ آرا کردہ است

۴- ہاں! کجا احمد علی وحضرت غالب کجا
ذرّہ خود را بادرِ مہر ہمتا کردہ است

۵- غالب آمد غالب ہیچ ہرشاعران نکتہ سنج
گلشن معنی، نے کلکش معطّر کردہ است

۶- درفن معنی ہر آں کس با فلک سر بر کشید
سجدۂ خاک در او زیب سیما کردہ است

۷- رستم میدان معنی حضرت غالب بود
رحم بر شوخے کہ با وے جنگ برپا کردہ است

۸- گفت در رد کتاب حضرت غالب کتاب
این مگس را بین کہ با شہباز پروا کردہ است

۹- گرچہ زاید باشد از حیثیتش نام خدا
لائق تحسین بود کارے کہ آغا کردہ است

۱۰- ارچہ جہلش گشت ثابت با دلیل قاطعی
دعویٔ تردید قاطع گرنہ بیجا کردہ است

۱۱- ہم بغور و فکر بسیارے زتحریر جواب
سرسری ہر انچہ کلک غالب انشا کردہ است

۱۲- خود چو قاصر گشت آغا، کو چک ابلش چرا
خویش را با اوستاد خویش رسوا کردہ است

۱۳- آں فدائے بے خرد بے چارہ بنگالی نژاد
من فدائے او چہ خوش تقریر زیبا کردہ است

۱۴- چوں ندانند شیوۂ گفتار را، نادان چرا
ریشخند خلق خود را بے محابا کردہ است

۱۵- شوخیٔ طبعش نیازم آں کہ در عرض کمال
پردۂ شرم و حیا از روئے خود وا کردہ است

۱۶- در گمان خویش شد پشت و پناہ اوستاد
عیب پنہانش حقیقت آشکارا کردہ است

۱۷- سستیٔ طرز کلامش گر نویسم سربسر
دفترے باشد بشرح آں کہ انشا کردہ است

۱۸- لیک ظاہر می کند[۳۹] زاں جملہ عیبے چیدہ
تا بہ بیند ہر کہ حقش چشم بینا کردہ است

۱۹- با فصاحت ہا کہ دارد ہمچنیں[۴۰] ارشاد کرد
"بر زبان دارند ایں مطلع[۴۱] کہ سودا کردہ است"

۲۰- سر نمودن واز مطلع پر غریب است و عجیب
لیک نتواں گفت کیں بیہودہ املا کردہ است

۲۱- سر برہنہ بودن است از عادت بنگالیاں
آنچہ خود می کرد شعرش نیز گویا کردہ است

۲۲- باز می سازد بدیگر جا چنیں تقریر خوش
"کز مجیب و معترض کہ کار بیجا کردہ است"[۴۲]

۲۳- نیک میدانند اہل راز کایں اشباع کاف
از فصاحت[۴۳] مصرع را بیشک معرا کردہ است

۲۴- گر بگفتے زیں نمط بودے فصیح و خوب تر
کز مجیب و معترض آخر کہ بیجا کردہ است

۲۵- شد ترنم آشنا جائے با آہنگ دگر
"نا[۴۴]میان ہند را دشنام بیجا کردہ است"

۲۶- کردن دشنام کے باشد روا نزد فصیح
بے خبر از کوچۂ دانش چہ آیا کردہ است

؛؛ ں = این چنیں
عں = شعر

۲۷۔ غیر ازیں از سستیٔ ترکیب و لغو و حشو و نغز[۲۵]
پختہ مغزی ہاتے او ہرچہ تقاضا کردہ است

۲۸۔ ہمچو روز روشن است و نیک روشن گشتہ است
بر سخندان جہاں ہرکس تماشا کردہ است

۲۹۔ باہمہ فقدان استعداد، ایں شور و شغب
بود کے جائز مگر از راہ سودا کردہ است

۳۰۔ بے خود شاگردیٔ احمد کہ کردہ است آشکار
تا چہ طرفے بست زیں، کاریکہ پیدا کردہ است

۳۱۔ ہاں بیا، ناداں بیا، با اوستاد خود بیا!
غالبؔ استاد جہانش حق تعالیٰ کردہ است

۳۲۔ سر بخاک آستانش نہ پئے عذر گناہ
حق پرستیہا اگر در دل ترا جا کردہ است

۳۳۔ سر مکتوم معانی، بوالہوس اینجا بجوے!
گر دلت رمز معانی را تمنا کردہ است

۳۴۔ باقرار شکرانہ آں کے تواں آمد بروں
کہ مرا تلمیذ "غالبؔ" حق تعالیٰ کردہ است

قطعۂ سخن

قطعہ دوم بجواب قطعہ عبدالصمد فدا از نتائج افکار سید فخرالدین حسین دہلوی سخن تخلص۔ تلمیذ و نبیرۂ حضرت جناب نواب اسداللہ خان غالب ممدوح الصدر تعالی اللہ شانہ[۹۸] و مد ظلال جلالہ۔

۱- مولویؒ احمد علیؒ آں واقف ہر علم و فن
درسخن باجد من پیکار بیجا کردہ است

۲- دیگرے عبدالصمد شاگرد آں زیبا بیان
ہمدریں جنگ و جدل تائید آغا کردہ است

۳- آں یکے ہرزہ درا، مغرور بر گفتار خویش
ویں دگر خود بیں کہ ایں ہنگامہ برپا کردہ است

۴- آں یکے عاقل کہ می خواہد نمائے خویشتن
ویں دگر الکن کہ با افصح سخنہا کردہ است

۵- آں یکے حاسد کہ می دارد سر پیکار ہا
ویں دگر ناداں کہ خود را نیز رسوا کردہ است

۶- می تراود خوں زچشم من چو می بینم جواب
آنکہ از رشک و حسد در نظم انشاکردہ است

۷- دسترس باشد اگر بر مدعی من آں کنم
آنچہ در پیکار اسکندر بہ دارا کردہ است

۸- ہاں! بیا اے ساکن بنگالہ با من درستیز!
خالق کونین "دہلی" مولدِ ما کردہ است

۹- در سخن سنجی "سخن" دارم تخلص آشکار
با تامل بیں کہ کلک من چہ انشا کردہ است

۱۰- حضرت "غالب" کہ یک عالم بود تلمیذ او
وائے بر "آغا" کہ باوے جنگ برپا کردہ است

۱۱- آں سخن سنجے کہ در روز ازل پیش از ظہور
از رضائے حق تعالیٰ، مشق املا کردہ است

۱۲- آں معانی آفریں، کز حکم رب ذوالمنن
ہرچہ پنہاں در عدم بود آشکارا کردہ است

۱۳- عرفی و قتیل بگویم گر بمطلب را رسد
خامۂ جادو طرازش آنچہ انشا کردہ است

۱۴- باچنیں کس در سخن پیکار "آغا" ناسزا
خویشتن را بیگماں در دہر رسوا کردہ است

۱۵- وہ! چہ خوش گفتار دارد در زبان پارسی
از تفاخر ایں چنیں تقریر زیبا کردہ است

۱۶- من کیم عبدالصمد در شعر نام من خدا
شہر سلہٹ مولدم ایزد تعالیٰ کردہ است
۱۷- من خدائے شوخئ تحریر آں جادو بیان
نام خود را با فصاحت آشکارا کردہ است
۱۸- جائے دیگر بے ادب از غایت رشک وحسد
بہر "غالب" این چنین تحریر بیجا کردہ است
۱۹- "دوستان احمدی غازی و پیکارش جہاد
حق بدست کیست ظاہر در معما کردہ است"
۲۰- اے "خدا" باچوں از مذاق شاعران آگہ نۂ
توجہ "دانی حضرت غالب چرا انشا کردہ است؟
۲۱- گرنہاں مفہوم تو شد از جہاد و غازیان
در ہمیں مضمون کفر، اندر دولت جا کردہ است
۲۲ بشنو از من بے خبر این پاسخ دندان شکن
ہمت مردانۂ من این تقاضا کردہ است
۲۳- غازیاں دارند با "غالب" قولاً در سخن
کافر آں باشد کہ از غالب" تبرا کردہ است
۲۴- ایکہ "غالب" ہست در دین سخن پیغمبرے
انچہ کرد "آغا" باد، شخصے بوسلی کردہ است
۲۵- متفق ہستند برایں جملہ ارباب خرد
لائق نفرین بود کاریکہ "آغا" کردہ است

۲۶- حاشا للہ من سخنت اورا نگفتم ناسزا
پاسخ اقوال او دادم کہ انشا کردہ است

۲۷- اے سخندانانِ با انصاف آخر بشنوید
درجواب "قاطع برہان" کہ سجیا کردہ است

۲۸- تاچہ اندیشید "آغا" کاندریں عرض جواب
از رہ تہذیب گرہ خویشتن را کردہ است

۲۹- لِوالعجب یا ماندہ ام کایں صاحب علم وادب
باچنیں فہم وفراست ایں چہ آیا کردہ است

۳۰- من عزیز "غالب" ام، ہم درسخن تلمیذاو
عرض میدارم باو کایں جنگ برپاکردہ است

۳۱- گفتگو داری چو در موجبز کتاب لاجواب
آنکہ در تردید برہاں غالب انشاکردہ است

۳۲- گفتگو بامن لبفرما، پاسخش بشنو زمن
درحضور حضرت "غالب" چہ انشاکردہ است

۳۳- شرط آں باشد ولیکن درجواب واعتراض
آنچناں بنود کہ دراخبار املا کردہ است

۳۴- محترز باشید از تحریر الفاظ درشت
تا نگوید غیر کایں بیہودہ املاکردہ است

۳۵- لیکن آں دانم کہ از آغا نہ باشد احتیاط
حق زبانش را چو بادشنام گویاکردہ است

۳۶- اے سخن بریک سخن اکنون سخن کوتہ کنم
خواجہ از رشک وحسد این شور وغوغا کردہ است

۳۷- اوستادِ من شدہ از بہر آن محسودِ خلق
بر ہمہ غالب چو او را حق تعالیٰ کردہ است

خاتمہ

تمت الحمد للہ والمنۃ کہ نسخہ ہنگامۂ دل آشوب در مطبع منشی سنت پرشاد باہتمام فرخندہ رائے منشی جے گوبند سہائے بمقام آرہ ضلع شاہ آباد بتاریخ ۵ شہر ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۳ ہجری ؁ بقالب طبع آمد۔

برائے سند این معنی کہ کتاب ہذا مطبوعہ منشی سنت پرشاد است مہر و دستخط مہتمم افزودہ شد العبد (جے گوبند سہائے) مہتمم۔

ہنگامہ دل آشوب

حِصّہ دوم

نقل سرورق

ماشاالله

سخنین دوتا قطعہ بجواب قطعۂ منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر تخلص
شاگرد مرزا ناطق مکرانی و دومین دوتا قطعہ بجواب عبدالصمد فدا تخلص شاگرد مولوی
احمد علی صاحب موسوم بہ

حصّہ دوم

ہنگامۂ دل آشوب

از نتائج افکار جناب مولوی سیّد محمد باقر علی صاحب باقر تخلص و جناب خواجہ
سیّد فخرالدین حسین صاحب دہلوی سخن تلامذہ حضرت جناب نجم الدولہ دبیرالملک
نواب اسداللہ خان بہادر نظام جنگ غالب تخلص اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہم و
مدظلال جلالہ و در آخر نثر اُردو بجواب نثر میر آغا علی صاحب لکھنوی شمس تخلص
از نتائج افکار جناب خواجہ سیّد فخرالدین حسین صاحب موصوف ؐ۔

قصبہ آرہ

در مطبع منشی سنت پرشاد باہتمام منشی جے گوبند سہائے طبع شد

قیمت فی جلد دو آنے   بار اوّل ۱۵۰ جلد

سنہ ۱۸۶۷ء

حسب فرمائش مصنفین ممدوحین طبع شد

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برناظرین باتمکین مخفی نماناد کہ زین پیش قطعاتے چند در جواب قطعۂ عبدالصمد فدا سلہٹی بنگالوی شاگرد مولوی آغا احمد علی جہانگیر نگری کہ در جواب قطعۂ حضرت غالب مدظلہ العالی در حیز نگارش درآوردہ بود، ترتیب یافتہ و بہ ہنگامۂ دل آشوب مسمی گردیدہ در مطبع آرہ زیور انطباع پوشیدہ بود۔ حالیا بعد چند ماہ آن "فدائے" عالی مقام باز سر بشورش برداشت، و آن آتش فتنہ کہ بہ آب افشانی جوابات شافیہ آشنا بخمود گردیدہ بود، باز چون اخگر زیر خاکستر نرم نرم سر بیالا کشیدہ زبانہا بر آورد یعنی، "فدا" کہ دل و جانم فدائے او باد، ردجواب نگاشت و رائے جواہر سنگھ جوہرؔ تخلص کہ کاسہ لیس سفرۂ کمالنیان است، بہ کمک آن سرمایۂ دانش بحکم "الجنس یمیل الی الجنس" کمر ہمت بر میان جان بست، و از بہر اشتعال آن نائرہ نزع دامن بجنبش درآوردہ، بگفتار نادرست کہ خموشی ہزار بار ازان بہتر تواند بود، پردۂ خفا از عارض مخدرۂ استعداد خود بر کشید، و شاہد جہل خود را از حجلۂ کتمان بمنصۂ ظہور مژہ کشان درآورد۔ ناگزیر از بہر انطفائی این حدودۂ سر بفلک کشیدہ فنا د سحاب کلک گوہر سلک را مرۃً بعد اولی آستنائے ترشح کردہ آمد تا اخگرے بل اثرے ازان باقی نماند۔ لو کہ این جواب ہائے دندان شکن و تقریر ہائے سرمہ در گلو ریز باعث نزہت خاطر تماشائیان و قرۃ عین نظارگیان گردد۔ و باللہ التوفیق۔

قصیدۂ بیانیہ

نخستین قطعہ[۵۲] منشی جواہر سنگھ جوہر تخلص شاگرد مرزا ناطق مکرانی[۵۲]

۱- جوہر امروزے باخیار این تماشا کردہ است
شاعرے با شاعرے ہنگامہ برپا کردہ است

۲- اکبر آبادی خدائے نظم باخود غالب است
احمد بنگالہ ہم پیغمبری ہا کردہ است

۳- اندرین شک نیست غالب اوستاد پارسیت
لیک پیکار از سپاہی زاد گیہا کردہ است

۴- زانکہ زیبد تازہ گوئی شاعران کہنہ را
میتوان خاموش ماند از فعل بیجا کردہ است

۵- قاطع برہان بطور خود اگر ترتیب داد
ہاں چرا قطع مروت در سخنہا کردہ است

۶- بحث من در معنیٔ باریک ولفظ نازک است
نے بدشنا میکہ، غالب "کردہ" آغا کردہ است

۷- بگذرید از گفتن بدیک دگر را بگذرید
نیست از تہذیب ہر کس کیں سخنہا کردہ است

۸- نیست بحث شیعه و سنیؑ میان شاعری
جهل از دشنام گویا اجر پیدا کرده است

۹- نیز در هر فن که از علم و تعلم ممکن است
طعن و فخر زاد و بومؑ از خوشدلیها کرده است

۱۰- علم و فضل اے دوستان بر لطفۂ شیراز نیست
کس بہ صلب و رحم کے آخر سخنہا کردہ است

۱۱- نیک یا بد تربیت ہم صحبت صاحب کمال
میشود شاعر کسے کینہا مہیا کردہ است

۱۲- آفریں بر مولوی احمد علیؒ بنگالوی
آنکہ از بزم خموشاں گفتگو ہا کردہ است

۱۳- در چنیں ملک بعید از دہلی و پایان ہند
زندہ دارد شاعری کار مسیحا کردہ است

۱۴- دور از دہلی بعید از لکھنؤ خوش باد کو
پارسیؑ با لہجۂ اردو مہیا کردہ است

۱۵- آنکہ غالبؒ طعنہ بر کرانیان ہم میزند
آگرہ شاید بجاتے خود بخارا کردہ است

۱۶- مسکینم تسلیم ہاں پیر بخارا غالبؒ است
احمد درانی آن احمد کہ بیجاؑ کردہ است

۱۷- ترکیؑ خود را تمام اے دوستاں زینجا کنید
ہند را فخر جہان آن رب اعلیٰ کردہ است

۱۸- میتوانم گفت نامد ہر کہ از ایران بہند
لفظ رنگیں شوخ مضموں کے بیکجا کردہ است

۱۹- خسرو و فیضی بہ بیں نازش بہندوستان کنند
چوں علی و چوں غنیؔ، معنی کہ پیدا کردہ است

۲۰- نیز ایں بیجاست از تحقیر در حق قتیل
مُعتقدؔ شتے خویش ہندو زادۂ را کردہ است

۲۱- برہمن'، وارستہ'، مخلص'، غیوری'، و بہار'
صد چو اینجا معجز اندر پارسیہا کردہ است

۲۲- چوں سخن از علم و تعلیم است می نازم بہند
خامۂ مارا بہ بیں اعجاز ایں جا کردہ است

۲۳- اصل ما از دہلی است و مولدم لکھنو است
نازشے دارم کہ ہندو خالق ما کردہ است

۲۴- نیستی یارا! تو از ایران و توران و دمشق
ور گرو و نت مسلماں بلکہ از ما کردہ است

۲۵- کس چرا خود را کند منسوب ایران حیرت است
مرد ہندی جد خود چوں از بخارا کردہ است

۲۶- ہم قتیل و صاحب برہان اگر ہیچ است و ہیچ
غالبؔ تسلیم آخر بہتر از ما کردہ است

۲۷- مدعی بر دیگراں از خوردہ گیری بگذری
تازہ تصنیفے بخواں گر طبع پیدا کردہ است

۲۸- خنده می آید مرا بر پیروان ہر دو کس
می توانم گفت یک یک کار بیجا کرده است

۲۹ ہر یکے شد معترض بر دیگر وخود ہم غلط
خود غلط برخود غلط اصلاح گویا کرده است

۳۰ لیک در این نظم با استادِ کس راه نیست
جانب مطلع روان خود بے محابا کرده است

۳۱- می کند کج مج زبان را کاف بنگالی بلے
« کز مجیب و معترض کہ کار بیجا کرده است »

۳۲ طعنہ زد شاگرد غالب باز خود موزون نمود
« کہ مرا تلمیذ غالب حق تعالیٰ کرده است »

۳۳ او اگر "سرا" غلط گفت این زمصرع عین خود
از فصاحت مصرع را بے شک ہوا کرده است

۳۴- از برائے آنکہ گردد جنگ یاران برطرف
خامۂ ما صورت انصاف پیدا کرده است

۳۵- بنگرم در غالب و احمد بود گرد ار وگیر
این فدا ومولوی باقر چہ بیجا کرده است

۳۶- نیز اندر کاملان آن دار وگیر بحث علم
نے بدشنامی کہ ریش و فیش بیجا کرده است

۳۷- در جہاں یک کرد روئے احمد ولیشت قتیل
اجتناب اہل حزد زین گفتگوہا کرده است

۳۸۔ راست گویم بعد ازیں گر، ہر دو گیرندم حکم
کین غلط کردہ است یا آن شوربجا کردہ است

۳۹۔ ختم کن اے جوہر ہندی سخن از وعظ و پند
چتی چتی مارا چہ گر ملاّ بہ ملاّ کردہ است

۴۰۔ نیست اے جوہر سرد کارے مرا با ہر دو کس
بگذرید از شوخیٔ گرخامۂ ما کردہ است

قطعۂ باقر

قطعہ بجواب قطعہ، منشی جواہر سنگھ جوہر تخلص، از نتائج افکار جناب مولوی سید محمد باقر علی صاحب باقر تخلص، شاگرد رشید ملک الشعرائے ایران و ہند، حضرت جناب معلی القاب نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ، غالب تخلص، اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ و شانہ۔

۱- جوہر دانش پژدہے نکتہ سنجے، نغمہ گو
آنکہ در ملک معانی داوریہا کردہ است

۲- بردگوئے سبقت از استاد خود، صد مرحبا!
سحر کاری ہا عجب در نظم پیدا کردہ است

۳- حبذا! انداز و خوش طرز خرام خامہ اش
زندہ جاں! استاد خود را زیں ادا ہا کردہ است

۴- می برد دل در سخن ہے ہے اچہ انداز ہست ایں؟
من سرش گردم چہ طرز نطق پیدا کردہ است؟

۵- ہوشم از سر برد و صبر از دل زمعشوقانہ وضع
طرفہ سحرے ہیں کہ ہندو زادۂ ما کردہ است

۶- رشک امثال است درشیوا زبانیہا بلے!
نطق ادا انداز ناطق[۶۵] را ہویدا کردہ است

۷- ہاں مگر کج مج زبانیہا زِدَخبِر کم سنی است
آفریں بادش کہ حق زین گونہ گویا کردہ است

۸- خامۂ شیریں نوا درپردہ تا کے نغمہ ہا
آشکارا گرچہ کلک گوہر انشا کردہ است

۹- ہاں کشیدن می تواں شمشیر براں زبان
انقلاع کفر واجب حق تعالیٰ کردہ است

۱۰- آن جواہر بیں کہ جوہر کرد نام خویشتن
طرفہ تخفیفے بنام خویش پیدا کردہ است

۱۱- حرف علت چون گران آمد ورا اندرمیان
از دروں ساقط جنیں آسا الف را کردہ است

۱۲- دعویٰ شاگردی مکرانیش آنگہ چنیں
در زبان ساقیاں ایں شور و غوغا کردہ است

۱۳- ہیچ درنگرفت فیضِ او ستادش[۶۶] واعجبا
قول سعدی صادق آمد انچہ ایما کردہ است

۱۴- عمر خود برباد داد آخر چرا درمشق شعر
چوں ہمیں سرمایۂ دانش مہیا کردہ است[۶۷]

۱۵- ریختِ ایں ہندو بہ بینید آبروئے پارسی
طرفہ کج داکج پریشاں گفتگو ہا کردہ است

۱۶- نیست از مسند خبر باشد اگر مسند الیہ
سہت ترکیب[68] از غلط ہرگز نہ پروا کردہ است

۱۷- لفظ اگر باشد غلط باشد ہمانا عضو دست
لغو و حشو و مہمل و موضوع یکجا کردہ است

۱۸- زعفراں زارش بخوانم[69] نے زمین شعر او
خندہ آید ہر کسے را کایں تماشا کردہ است

۱۹- کرد لسم اللہ غلط ناداں چو گفتا ایں چنیں
"جوہر[70] امروزے" باخبار ایں تماشا کردہ است

۲۰- 'یائے' امروزۓ چہ باشد گر نباشد لغو و حشو
الحذر زیں سہو کایں بیچارہ اینجا کردہ است

۲۱- "اکبر آبادی خدائے نظم باخود غالب است[71]"
مصرعے زینساں بدیگر شعر انشا کردہ است

۲۲- کاشکہ دانستے "باخود" چہ معنی داشتہ است
شاعر شیریں زبان ما چہ املا کردہ است

۲۳- سیکنم[72] تسلیم ہاں پیر بخارا غالب است
ایں کلامش بیں کہ شوخیش تقاضا کردہ است

۲۴- خود بود ناداں مگر مغلوب طفل لکھنؤ
غالبم را کلکش از پیر بخارا کردہ است

۲۵- می سراید مصرعۃ در شان آں احمد علی
احمد[73] درانی آں احمد کہ ہیجا کردہ است

۲۶- سستی ترکیب ایں مصرع ہمی باشد عیاں
مامبق رابیچ ربطے ہم نہ پیدا کردہ است

۲۷- ہم تو ای شیخ تو نام "گفت نادر ہرکہ از یاراں بہ ہند"
مصرع اش باشد کہ املا کلکم اینجا کردہ است

۲۸- خندہ می آید مرا بر دانش و بر عقل او
کاین خرد دشمن چہ ایں بیہودہ دعویٰ کردہ است

۲۹- صد ہزار از شاعران نغز گو باشد بلے
آنکہ سوئے ہند نے روئے تماشا کردہ است

۳۰- من بقصر بان فصاحت ہائے ایں مصرع کہ خواند
"لفظ رنگیں شوخ مضموں کے بجا کردہ است"

۳۱- "بخکم و فضل اے دوستاں برنطقہ شیرازیت"
مصرع باصد فصاحت کلکش املا کردہ است

۳۲ معنی او منحصر بر نطفہ شیراز نیست
لیکن از بطن خود ایں محذوف پیدا کردہ است

۳۳- بے خرد شوق حکم گشتن ہمی دارد بسر
از گلیم اندازہ بیروں بوالہوس پا کردہ است

۳۴- خود حکم کے می تواں شد بوالحکم باشد بلے
باہم جہلے کہ دارد طرفہ دعویٰ کردہ است

۳۵- آہ زیں نادانیش فریاد ازیں نادانیش
کز جہالت اعتراض پوچ برپا کردہ است

۳۶- کافؔ، ماؔ کافؔ، بنگالی شریک حکم راند
صدر واوسط را بزعم خویش یکتا کرده است

۳۷- فرق میداند کسے کورا بود ذوق صحیح
چون نماند اوچرا ہنگامہ برپا کرده است

۳۸- اعتراض ثانیش ناشی زسہو کاتب است
لفظ مصرعؔ او بجاسے شعرا املا کرده است

۳۹- خامۂ معجزنگار سحرپرداز صفیرؔ[۸۱]
کو باقلیم معانی خسرو یہا کرده است

۴۰- خوب تقریر لطیف و نیک تحقیق انیق
درجواب اعتراض جوہر انشا کرده است

۴۱- میتوان نگریستن آنجملہ را باغور و فکر
گردلت تفصیل و شرحش را تمنا کرده است

۴۲- آن فدا زین پیشتر باقسر دل مایرده بود
جوہرما حالیا این فتنہ برپا کرده است

۴۳- آں فدا خوش منتظر آمد، جوہر آمد خوش مزاج
وہ چہ شوخیہا بصد ناز و ادا ہا کرده است

۴۴- آں اگر نور نظر بود این سرور سینہ شد
زنده باشد، خوش دلِ غمدیدۂ ما کرده است

۴۵- باشدش ہر لحظہ از ما صد نیاز و اشتیاق
کو چو جان اندر حریم دل مراجا کرده است

قطعۂ سخن

قطعۂ دوم بجواب قطعۂ جوہر از خواجہ سید فخرالدین حسین صاحب دہلوی سخن تخلص، تلمیذ و نبیرہ حضرت غالب ممدوح الصدر مدظلال جلالہ۔

۱- اے سخن فی الحال چون در لکھنو وارد شدم
دیدم اخبارے کہ شخصے بازغوغا کردہ است

۲- شاعرے ہندی زبان منشی جواہر سنگھ نام
در قصیدہ پاسخ قطعات انشاکردہ است

۳- میرزا "ناطق" کہ شاعر بود "مکرانی" نژاد
خویش را تلمیذ او در نظم انشاکردہ است

۴- درجہاں جوہر چو او باشد منم جوہر شناس
او چرا با شاعران این جنگ برپاکردہ است

۵- شد حکم در زعم خود جوہر درین جنگ وجدل
این حکم را بین کہ با "غالب" چہ ایماکردہ است

۶- از رہ انصاف برگردید و سوگیری نمود
جابجا توہین "غالب" مدح "آغا" کردہ است

۷۔ گفتگوئے زشت را بدگفت وخودہم گفت زشت
میشود ناصح دلے خود کار بیجا کردہ است

۸۔ مدعیٔ غالب زیبا بیاں شد در سخن
از پئے مکرانیاں این جنگ برپا کردہ است

۹۔ صد "قتیل" و "جامع برہان" اگر یکجا شوند
پاسخش ناید ہر آنچہ غالب انشا کردہ است

۱۰۔ طعنہ زد بر غالب از رشک وحسد آں بلعزد
نسبت استاد با پیرِ بخارا* کردہ است

۱۱۔ از تفاخر بعد ازیں اظہار اصل خود نمود
گفتگو دراصل خود بے سود و بیجا کردہ است

۱۲۔ لکھنؤ شد مولدش بالفرض لیکن فخر چیست
خالقش چوں مسکنش* پیر بخارا[۱۴] را اگر کردہ است*

۱۳۔ آنکہ گوید پارسی موقوف بر شیراز نیست
من بگویم مدعی ایں سست دعویٰ کردہ است

۱۴۔ از عجم در ہند تخم پارسی آمد بلے
خالقش در ہند از شیراز پیدا کردہ است

۱۵۔ خندہ می آید مرا ہم بر ذکا و فہم او
درجواب مولوی باقر چہ انشا کردہ است

---

* پیر بخارا' محلہ ایست در لکھنؤ۔

۱۶- اول مصراع بااین کاف ناجائز که گفت؟
شاید از استاد خود گوش این سخن‌ها کرده است

۱۷- "ناطق" مرحوم رشک بلبل شیراز بود
عالے استادیش تسلیم ہرجا کرده است

۱۸- می توانم گفتنش اکنون بقول اوستاد
"یا نمی دانست یا دانسته اخفا کرده است"

۱۹- اے سخن باجوہر ہندی ممنید اریم جنگ
این جواب نظم او گفتم که انشا کرده است

———— • ————

قطعۂ فدا

دو مین قطعہ مولوی عبدالصمد، فدا تخلص، بنگالی بجواب قطعہ مولوی سید باقر علی صاحب وخواجہ فخرالدین حسین صاحب سخن دہلوی۔

۱- مولوی باقر علی باقر تخلص قطعۂ
در جواب قطعۂ این بندہ انشا کردہ است

۲- ہمچنین نظمم دگر بنوشت فخرالدین حسین
کو تخلص در سخن سنجی سخن را کردہ است

۳- من جواب ہر دو قطعہ می نویسم یک بیک
کلک من در حق و باطل فرق پیدا کردہ است

۴- باقرا! اندر لغت، دشنام کردن، آمدہ است
زاہل فن خواجہ حسن در شعر املا کردہ است

۵- اے کہ می گوئی کہ، سر وا کردن، آمد پر غریب
پر غریب است انچہ اندر خاطرت جا کردہ است

۶- لفظ، وا کردن، بود بار، باز کردن، متحد
در لغت بین گر ترا در دل شکے جا کردہ است

۷۔ نیز وصف جبہہ و پیشانی و مانند آن
صایب استاد سخن وا کردہ املا کردہ است

۸۔ می کنم تحسین کنوں بر قطعۂ باقر کہ او
دفتر از جوش فصاحتہائے خود وا کردہ است

۹۔ زاں فصاحتہائے او رانم سخن در چند شعر
میتواں فہمید ازیں دیگر چہ انشا کردہ است

۱۰۔ ہاں[۸۸] سخنداناں خوش اضراب و ترقی بنگرید
اندریں شعریکہ کلک باقر املا کردہ است

۱۱۔ •صعوہ[۸۹] با شہباز گرم رزم شد نے نے غلط
روبہے با شیر جنگ فتنہ برپا کردہ است"

۱۲۔ نغز تر باشد ازیں ہم آں دو شعر دیگرش
کز بلندی جائے بر اوج ثریا کردہ است

۱۳۔ •گرچہ[۹۰] زاید باشد از حیثیتش نام خدا
لائق تحسیں بود کاریکہ آغا کردہ است"

۱۴۔ "ہم لغو و فکر بسیارے ز تحریر جواب
سرسری ہر انچہ کلک غالب انشا کردہ است"

۱۵۔ لفظ "حیثیت" بجائے "علم" می خواہد سند
ز اہل پارس آنرا بدیں معنی کہ املا کردہ است[۹۱]

۱۶۔ خوش مضاف آوردہ در شعر دوم لفظ "جواب"
دوستاں بینند کایں ہندی تماشا کردہ است

۱۷- ریختۂ[۹۲] خلق، خوش بستہ است در شعر دگر
مضحکۂ خلق از زبان خلق خود را کردہ است

۱۸- جائے دیگر باز میگوید کہ این اشباع کاف
از[۹۳] فصاحت مصرع را بیشک معرا کردہ است

۱۹- خندہ می آید مرا بر خورد گیری[۹۴] ہائے او
خود بدو، آنگہ بطعن غیر لب وا کردہ است

۲۰- "عین" مصرع را فگند و خون شعر خود بریخت
خون این برگردنش ظلم آشکارا کردہ است

۲۱ "عین" را افگندن ار کوری نباشد چیست این؟
آرے آرے فرط جہلش کور ادرا کردہ است

۲۲- پاسخ اشباع "کاف" از قول او روشن بود
کاندرین دو شعر لفظ خود چہ املا کردہ است

۲۳- "غیر[۹۵] ازین" از سستی ترکیب و لغو و حشو و لغز
پختہ مغز بہا ئے او ہر چہ تقاضا کردہ است"

۲۴- "باقر از شکرانہ این کہ توان آمد برون
کو مرا تلمیذ غالب حق تعالیٰ کردہ است"

۲۵- "چہ" و "کہ" چون ہر دو با اشباع آوردہ خودش
ہر جوابے کو کند آن پاسخ ما کردہ است

۲۶- ہم نشست لفظ "شکرانہ" تماشا کردنی است
شکر و شکرانہ مرادف آشکارا کردہ است

۲۷۔ سرسری نتواں ازیں شعرِ تو اے باقر گذشت
بسکہ لطف و خوبیش محو تماشا کردہ است

۲۸۔ *ہمچو روز روشن است و نیک روشن گشتہ است
بر سخندانِ جہاں* ہر کس تماشا کردہ است[۹۶]

۲۹۔ ما و رلئے خبط ایں لفظ "سخندان جہاں"
طرفہ حسن و خوبیِ شعر آشکارا کردہ است

۳۰۔ لفظ واحد را بجائے جمع آوردن چرا
ایں چنیں جا ہا چہ لفظے را تقاضا کردہ است

۳۱۔ آفریں خوانم[۹۷] کنوں بر حسن گفتارِ "سخن"
کو ز شاگردیِ غالب فخر و دعویٰ کردہ است

۳۲۔ قطعۂ خود را مزین کرد با عنوان نثر
تا نپنداری کہ مشق نظم تنہا کردہ است

۳۳۔ چیست معنیِ "تعالیٰ اللہ شانہٗ" اے[۹۸] خوبان
ایں عجب ترکیب در روے قابل املا کردہ است

۳۴۔ ہمچنیں یا ہائے مضموم آں دگر فقرہ بہ بین
رفع جائے کسرائے نحوی چہ بیجا کردہ است

۳۵۔ بنگرید اے شاعراں یکرہ کہ شاگرد رشید
شعر خوش در مدح استاد خود انشا کردہ است

۳۶۔ عرفیؒ و قتش بگویم گر بمطلب وا رسد
خامۂ جادو طرازش انچہ انشا کردہ است

---

* سہ ماہی "اردو" میں "بر سخن دانان جہاں" چھپا ہے جو سہو طباعت ہے (مرتب)

۳۷- فاعل فعل "رسد" یا ظاہر آمد، پس کدام؟
فعل واحد یا بحذف فاعل املا کردہ است

۳۸- باز ربط ہر دو مصرع از رہ ترکیب چیست؟
حیرتے دارم کہ آیا ایں ز سودا کردہ است

۳۹- "بوالعجب"[۱۰۱] ماندہ ام با لفظ "ہا" باشد عجیب
جمع و واحد اندریں یک فقرہ یکجا کردہ است

۴۰- "در عجب ماندہ ام" یا "بوالعجب ماندم" ہمیں
جائے آں فقرہ چرا قابل نہ انشا کردہ است

۴۱- لفظ "حاشا" با الف بنوشت و خواندہ بے الف[۱۰۲]
گرنمی خواند الف را ازچہ املا کردہ است

۴۲- "بشنو و فرما" خطاب و فعل غائب کردہ است[۱۰۳]
جمع ایں ہر دو بیک شعر ازچہ آیا کردہ است

۴۳- باز در تقدیر معنیٔ کلام اوستاد
ہاں! تماشائی، سخن طرفہ تماشا کردہ است

۴۴- دید چوں غالب تقاریظ کتاب لاجواب
خوشتریں شعرے بمدح احمد انشا کردہ است

۴۵- "غازیاں ہمراہ خویش آورد از بہر جہاد[۱۰۵]
تا نہ پنداری کہ ایں پیکار تنہا کردہ است"

۴۶- یاد خواہد بود یاراں پیش ازیں در پاسخش
کلک حق گوئی من ایں دو شعر املا کردہ است

۴۷۔ دوستاں دوجہدی غازی و پیکارش جہاد
حق بدست کیست ظاہر در معماکردہ است

۴۸۔ جنگ غازی کہ باشد در جہاں دانند خلق
حیف خود را از زبان خویش رسواکردہ است

۴۹۔ لیک شرح ایں سخن شاگرد او گوید چنیں
غازی آں باشد کہ از غالب تولاکردہ است

۵۰۔ نیک سنجید اے سخن سنجان معنی آشنا
گفتۂ غالب چہ معنی را تقاضاکردہ است

۵۱۔ ہرزہ گوئی ایں چنیں کرد است وآنگہ نام آن
پاسخ دنداں شکن یارب چہ زیباکردہ است

۵۲۔ درحقیقت پاسخش دندان او را خود شکست
پاسخ دنداں شکن نامش ازیں جاکردہ است

۵۳۔ برسخن ایراد تاکے اے فلا آخر ترا
ایں نہ لبس باشد کہ موزوں شعرانشاکردہ است

قطعۂ باقر

قطعہ بجواب قطعۂ فدا از فکر والاتے جناب سید محمد باقر علی صاحب تلمیذ حضرت غالب مدظلہ۔

۱- مولوی عبدالصمد یعنی فدائے نکتہ سنج
درجواب قطعۂ ما قطعہ انشا کردہ است

۲- وہ چہ خوش قطعہ کہ قطعات جواہر ہا نثار
آسماں بر نظمش از عقد ثریا کردہ است

۳- مرحبا صد مرحبا! خیزد ز قنبر الوری
آفریں صد آفریں روح شفیعا کردہ است

۴- بسکہ از حرف حروفش میچکد آب حیات
ناظریں را غیرت خضر و مسیحا کردہ است

۵- کشور بنگالہ زو نازد بجود نام فدا
باب علم و فضل بر روئے جہاں وا کردہ است

۶- بلبل شیراز باشد شاعر بنگالوی
کاں سفال الہند را خاک معلیٰ کردہ است

لے اصل میں "حروفش" چھپا تھا (مرتب)

۷- جوہر علم و ادب را بہر شہرت دادہ عرض
از گروہ شاعراں باشد تمنا کردہ است

۸- آفریں بر دقت طبع رسایش، آفریں!
وہ چہا ایراد بر اشعار املا کردہ است

۹- داد از ہر اعتراضے داد خوش فہمی چہ خوش
گنج مخفیٔ معانی آشکارا کردہ است

۱۰- می سراید نغمۂ دل کش بآہنگ عجیب
می رباید دل ز کف کار ~~سخنہا~~ (قتلہا) کردہ است

۱۱- می کند تردید قول ما بہ ایراد سخیف
اتباع رسم استاد خود آغا کردہ است

۱۲- او ز نا فہمی جواب حضرت غالب نوشت
یعنی از ہذیاں تردید انچہ انشا کردہ است

۱۳- کرد ردِّ قاطع برہاں بزعمش گوئیا
کعبہ را بشکستہ تعمیر کلیسا کردہ است

۱۴- دیں بعزم جنگ ما اینک میان جاں ببست
سر ز ہر سو خنجر و تیغ و سنانہا کردہ است

۱۵- لنگ لنگاں جلوہ گر شد بر سر میدان رزم
غیرت طبعے کہ دارد ایں تقاضا کردہ است

۱۶- شرح پردازم جواب اعتراضش حالیا
کز رہ فکر رسا در خاطرش جا کردہ است

۱۷- ایں نوائے خارج آہنگش بگوش دل شنو
که بتقریر عجیب ایراد بیجا کرده است

۱۸ ہاں سخندانان خوش امزاب دترقی بنگرید[۱۱]
اندریں شعریکہ کلک باقر املا کرده است[۲]

۱۹- نسبت ردبہ بہ شیراز نسبت اوّل قوی
ورضعیفی ہست ظاہر شک چہ اینجا کرده است[۱۱]

۲۰- لفظ[۱۲] حیثیت' چرا باشد مرادف' علم را
معترض بیں طرفہ استلزام پیدا کرده است

۲۱- بے خرد' فہوم' حیثیت ، بود اسلوب وضع
زاید از اسلوب خود یعنی کہ آغا کرده است

۲۲- میتواں دانست باشد زاں، نط لفظ جواب
که اضافت را لزومانہ تقاضا کرده است[۱۳]

۲۳- گاه مذکور است وگہ محذوف جزو ثانیش
نیک داند ہر کہ رسم قوم احصا کرده است

۲۴- مولوی جامی[۵] کہ بادا رحمت حقش نثار
اندریں مصراع حذف جزدِ اخری کرده است

۲۵- چیست دانی مطلبش یعنی جواب صد سلام
اقتضا شان محل تقدیر آنرا کرده است

---

[۵] جامی علیہ الرحمہ:

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آن لب
که صد سلام زما لبں یکے جواب از تو

۲۶- ہمچناں مفہوم شعر ماست از لفظ "جواب"
حذف لفظ قطعہ را اینجا تقاضا کردہ است

۲۷- مصرع ثانی بود تفسیر آں تقدیر و بس
وائے نافہمی عجب ایراد بیجا کردہ است

۲۸- خند خنداں آنکہ می آید لبوئے رلیشخند[1]
تاچہ شکے در دل والائے او جا کردہ است

۲۹- چوں بتقریر جوابش خامہ بکشاید زبان
معترض منشائے شک خود چہ اخفا کردہ است

۳۰- ہاں تردد باشدش در ہائے زاید غالباً
آنکہ کلک کاتبش از سہو املا کردہ است

۳۱- درجواب قطعۂ جوہر جواب عین را[2]
خامۂ معنی نگارم آشکارا کردہ است

۳۲- وانکہ کاف را نظیر کاف با اشباع خود
از رہ جہل و کمال سادگیہا کردہ است

۳۳- "کاف" صدر و "کاف" اوسط مختلف باشد بحکم
ہیں دوا دیر، "گر خدایت چشم بینا کردہ است

۳۴- دیدۂ عبرت کشا و بنگر ایں اشعار[3] را
کز پئے جمع دل تو کلکم املا کردہ است

۳۵- گر کنم قطع نظر زیں کاف لفظ "کار" تو
آنکہ بعد "کاف" در شعر تو ماوا کردہ است

عہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو

۳۶- ہاں بفرما تی خدارا کز براتے کار چیست؟
گرتنافرا نہ درشعر تو پیداکردہ است

۳۷- دعویٰ نخوتیش وانگہ بہ بیں" تطبیل" رآ
درنخستیں قطعہ خود آنکہ املاکردہ است

۳۸- ہاں بگو تطبیل کے اندر لغت باشد صحیح
جاتے ابطا لش رقم کلکش چہ بجاکردہ است

حزیں : حاشیہ ص ۸۹ :

دارم ازغالیہ سایان صبا چشم حـزیں
کہ غبارے بمن از خاک مقلا بخشند

کاسترآز بود چشم لیمان جہـا ن
کہ زخاکش نتواں باہمہ تنگی پرکرد

ظہوری :

نکتہ داں شاہ عادل ابراہیم
کہ بحرفش لب ازخطا مصئون

حافظ :

خوش خبر باش اے نسیم شمال
کہ بما میرسد زمان وصال

عرفی :

خواب راشب ہمہ شب دیدہ پیامی بردم
کہ برویم درایں واقعہ را ساختہ باز

۳۹- و آنکہ[۱۱۸] بر "شکرانہ" دارد از سرِ جہل اعتراض
فکر در قول سخن سنجاں مگر نا کردہ است

۴۰- گر بلفظ "شکر" داخل گشت حرفِ نسبتی
قبح در معنی[ع] بگو ناداں چہ پیدا کردہ است

۴۱- بیں کلام حضرت حافظ کہ چوں فرمودہ است
اندریں شعرِ کہ اندر حاشیہ جا کردہ است[ے]

۴۲- ہست اے ناداں بداں لفظ "سخنداں" اسم جنس[۱۱۹]
کا قتضائے واحد و جمع و مثنیٰ کردہ است

۴۳- چوں سوئے لفظ جہان و خواہ عالم شد مضاف
معنیٔ در حکم استغراق پیدا کردہ است

۴۴- "وانمودن"[۱۲۰] را چہ خوش گفتا جواب باصواب
یعنی غیر از ترجمہ دیگر چہ انشا کردہ است

۴۵- فاعل[۱۲۱] فعل "رسد" گم کرد در قول سخن
جستجو ہر چند ہر جانب چو اعمیٰ کردہ است

۴۶- فاعل[۱۲۲] فعل "رسد" باشد ضمیر حرف شین
آنکہ در ماقبل کلک شاعر املا کردہ است

اصل میں "معانی" ہے (مرتب)

: مثال شکرانہ حافظ

شکر ایزد کہ میان من و او صلح فتاد
حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

۴۷۔ وانکہ "ہا خوانداست لعد" بوالعجب[۱۲۳] ورجاے "ما"
بے خرد اورا مگر ہیجان سوداکردہ است

۴۸۔ اعتراضے میکند ناداں لبضم و کسرہ[۱۲۴]
آخر ازدست خودش قایل نہ املاکردہ است

۴۹۔ باحشیشے می درآویزد غریق جاں بلب
آرے آرے فرط جہلش خوار ورسواکردہ است

۵۰۔ می سراید طرفہ شعرے دلفریبے کاں چہا
دقت طبع روانش آشکاراکردہ است

۵۱۔ "بشنو و فرما" خطاب و فعل غایب کردہ است
جمع ایں ہر دو بیک شعر از چہ آیا کردہ[۱۲۵] است"

۵۲۔ لفظ "غایب" یا خبر باشد ز لفظ فعل تو
پس چہ فعل است؟ آں کہ غایب قایل آنرا کردہ است

۵۳۔ یا صفت باشد برایش پس چہ باشد معنیش؟
گفتگوے طرفہ، با رمز معما کردہ است

۵۴۔ حالیہ بشنو جواب اعتراض خویشتن
کز جہالت خطرہ اندر خاطرت جاکردہ است

۵۵۔ فاعل اندر مصرع ثانی بود آغاے تو
ہم ضمیر پاسخش راجع بآغا کردہ است

۵۶۔ در کتاب "بشنو و فرما" مخاطب شد فدا
خاتمہ ماکرد لیکن تو یانا کردہ است

۵۷- ہست ایرادت لفعلش ہاں عجب فعل شنیع
حق بدست تست باتو خواجہ ناکردہ است

۵۸- می سراید مصرعے باصد فصاحت معترض
و دوستان[۱۲۶] بینند کایں ہندی تماشا کردہ است

۵۹- ہندیم از طعن فرمود و بجا فرمودہ است
ہاں مگر خود را حریفِ اصفہاں ز اکردہ است

۶۰- کردہ زیں قطع نظر لفظ "تماشا" بنگرید
کاندریں مصراع ادمعنی چہ پیدا کردہ است

۶۱- دیدن و رفتن باستعمال فرس و تازی است
تا ازیں ہردو چہ معنی در[۱۲۷] دلش جا کردہ است

۶۲- لیک در مصرع نمی باشد یکے ہم منطبق
از برائے قافیہ شاید کہ املا کردہ است

۶۳- شاعر شیریں زبان ما بفرماید چنیں
"ایں نمی[۱۲۸] باشد کہ موزوں شعر انشا کردہ است

۶۴- من بلاگردان موزونی طبع تازکش
شعر را موزوں صفت کرد و چہ آیا کردہ است

۶۵- ایں نمی داند کہ موزوں داخل اجزاوی است[۱۲۹]
از حقیقت وصف آں کرد و چہ بیجا کردہ است

۶۶- سرمۂ بینش کشم در دیدۂ عبد الصمد
ایں دل شیداے ما با قرمتنا کردہ است

۶۷۔ لیک روشن کے تواں شد دیدۂ اعمائے وے
چوں خدا یش کور مادر زاد پیدا کردہ است

۶۸۔ نرم کردن میتواں آہن بہ آہن فی المثل
خامۂ ما ہم باندازوے املا کردہ است

۶۹۔ سخت گوئی را بنا شد پیشِ دستی زیں طرف
او چو بد گفت است آخر ہم خود امضا کردہ است

قطعۂ سخن

قطعہ دوم بجواب قطعۂ عبدالصمد فدا، از نتایج افکار جناب سید فخرالدین حسین دہلوی، سخن تخلص، تلمیذ و نبیرۂ حضرت جناب نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسداللہ خان بہادر نظام جنگ، غالب تخلص، اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ مادامت السموات والارضین۔

۱- مولوی عبدالصمد شاگرد آغا قطعۂ
در جواب قطعۂ ما باز انشا کردہ است

۲- از جہالت بر کلامم معترض شد جا بجا
جا دبیجا لفظ نادانستہ املا کردہ است

۳- مصرعہ اول زفیرد تانہیش باشد شہیق
ناتشخص چوں سفیہاں شور وغوغا کردہ است

۴- من جواب اعتراضش می نویسم سربسر
بےخرواز راہ نادانی چہ ایما کردہ است

۵- معترض گردید وعلم نحو خود ہم حرف کرد
خوردہ گیری ایں چنیں از راہ سودا کردہ است

۶- کاتبش گرجا ے اعلیٰ اللہ تعالیٰ اللہ نوشتہ[۳۰]
معترض بیمرفہ ایں ایراد برپا کردہ است

۷- مدعی آنرا بعنوان نخستیں بنگرد
تاچساں ایں جملہ را کلک من انشا کردہ است

۸- پیش ازیں در قطعۂ اول بمدح اوستاد
کلک حق اندیش من ایں شعر املا کردہ است

۹- عرفی و تتش بگویم گر بمطلب ؎ رسد
خامۂ جادو طرازش انچہ انشا کردہ است[۳۱]

۱۰- حبذا طبع رسائے شاعر معجز بیان
اعتراضش جہل او را آشکارا کردہ است

۱۱- مطلب شعرم بفہم او نہ آمد مطلقاً
می کند تحریر کایں از راہ سودا کردہ است

۱۲- چوں ندارد قوت فہم سخن از فرط جہل
باسخنداناں چرا ایں جنگ برپا کردہ است

۱۳- می کنم تصریح آں اکنوں شنیدش بایدش
لطف آں را خامۂ من آشکارا کردہ است

۱۴- بر مطالب دا رسیدن فعل باشد بالیقین
فاعل آں فعل اینجا مرکسئے را کردہ است

۱۵- بوالعجب ما ماندہ ام اول نگارش کردہ ام[۳۲]
شاید آنرا کاتبش از سہو انشا کردہ است

---

۳۱ اصل میں "تفریح" چھپا تھا (مرتب)

۱۶- "بشنو و فرما" زتو در ذکرِ ؐ شد آغا مراد
فعل غایب بہر آں کلک من انشاکردہ است

۱۷- مدعی در قطعۂ اول چو از رشک و حسد
بہر استاد من ایں تحریر بیجاکردہ استؐ

۱۸- "دوستان احمدی غازی دپیکارش جہاد
حق بدست کیست ظاہر در معماکردہ است

۱۹- یاد باد آں رمزاے یاران معنی آشنا
خامۂ من پاسخش اینگونہ املاکردہ است

۲۰- "اے فداچوں از مذاق شاعران آگہ نۂ
توچہ دانی حضرت غالب چہ انشاکردہ است

۲۱- گر ہماں مفہوم تو شد از جہاد و غازیان
در ہمیں مضمون کفر اندر دلت جاکردہ است

۲۲- بشنو از من بیخبر ایں پاسخ دنداں شکن
ہمت مردانۂ من ایں تقاضا کردہ است

۲۳- غازیاں دارند با غالب تولّا در سخن
کافر آں باشد کہ از غالب تبرّاکردہ است"

۲۴- پاسخ دنداں شکن دنداں او راچوں شکست
در جواب پاسخم ایں شعر املاکردہ است

۲۵- "ہرزہ گوئی ایں چنیں کردہ است و آنگہ نام آں
پاسخ دنداں شکن یارب چہ زیبا کردہ است"

۲۶- خوش جواب پاسخ من داد از فرط غضب
جہل و نادانیٔ خود نیکو ہویدا کردہ است

۲۷- مولوی با قرعلی علامۂ عہد خود است
وائے بروے کو باو لب در سخن واکردہ است

۲۸- معترض شد بر کلام آں معانی آفرین
کو بسے شاگرد مثل او و آغا کردہ است

۲۹- باچہ خوش ترکیب نظم دلکشا و شعر نغز
کلک آں والاحشم زیں پیش انشا کردہ است

۳۰- "صعوہ با شہباز گرم رزم شد نے نے غلط[۱۳۵]
روبہے با شیر جنگ فتنہ آ را کردہ است"

۳۱- صعوہ اقبال گفت و روبہ بازآغا را نوشت
ایں ترقی بہر استاد تو زیبا کردہ است

۳۲- لفظ حیثیت برائے وضع و اسلوب آمدہ
نے بجائے علم، مخدوم من املا کردہ است[۱۳۵]

۳۳- چوں سرو کارے زعلم[۱۳۶] آغا ندارد زیں سبب
لفظ "حیثیت" بجائے "علم" املا کردہ است

۳۴- پاسخ اشباع کاف[۱۳۷] مصدر میدارد سند
بیں دوا دیں گر ترا در دل شکے جا کردہ است

۳۵- لیک ایں اشباع از تو نیز میخواہد سند
"کز مجیب و معترض کہ کار بیجا کردہ است"

٣٦ - مادرائے کاف" ایں پیکار لفظ" کار" تو
وقت طبع رسالے تو ہویدا کردہ است

٣٧ - چوں مضاف آمد "سخنداں" با جہاں[١٣٩] پس قبح چیست
کو دراں معنی استغراق پیدا کردہ است

٣٨ - اے فدا چشم ظاہر بیں اگر باشد چہ سود کذا
کور باطن چوں ترا ایزد تعالیٰ کردہ است

٣٩ - یاد فور شوق میخوانم کنوں مدحش کہ او
پارسی با لہجۂ بنگالہ انشا کردہ است

٤٠ - شعر اوّل در کلام او تماشا کردنی است
من فدائے او چناں تقریر زیبا کردہ است

٤١ - "مولوی[١٤٠] باقر علی باقر تخلص قطعۂ
در جواب قطعۂ ایں بندہ انشا کردہ است

٤٢ - لفظ "ایں بندہ" چہ خوش بستہ است در شعر خودش
لہجۂ بنگالہ را نیکو" ہویدا کردہ است

٤٣ - لفظ "ایں بندہ" بضم "با" چو دارد بر زباں
ہمچناں در نظم زیبائے خود املا کردہ است

٤٤ - بے خدا ندر" لغت دشنام[١٤١]" کردن نامدہ
کست آں "خواجہ حسن" کو جائز آزا کردہ است

٤٥ - معنی نمرد الموذی[١٤٢]" بہر مطلع گفت خوش
پاسخ آں باز کردن وہ چہ انشا کردہ است!

۴۶- در جواب خود مع التکرار لفظ "با" نوشت
در خطاب مولوی باقرچه ایما کرده است؟

۴۷- "زاں فصاحتہائے اورانم سخن در چند شعر"
این چنیں جائے دگر در قطعہ املا کردہ است

۴۸- لفظ "زاں" در مصرعش بیکار و مہمل اوفتاد
"از فصاحتہا" چرا اینجا نہ انشا کردہ است؟

۴۹- باز گوید من کنم تحسین بر باقر کہ او
"دفتر از جوش فصاحتہائے خود وا کردہ است"

۵۰- دفتر از جوش فصاحت وانمودن پر غریب
اندریں تنگ اضافت از چہ آیا کردہ است

۵۱- گر بگفتے این چنیں پس شعر او بودے فصیح
"دفتر جوش فصاحتہائے خود وا کردہ است"

۵۲- معترض در نظم زیبائے خود این یک شعر لغز
با فصاحت از رہ ایراد املا کردہ است

۵۳- لفظ واحد را بجائے جمع آوردن چرا
این چنیں جا با چہ لفظے را تقاضا کردہ است

۵۴- در کلام مدعی این جا بتابین بنگرید
بہر "جا" "ہا" لفظ واحد را چہ املا کردہ است

۵۵- یک بیک "تبطیل" و "موزوں شعر" و "لفظ" کو کند
آں دگر فقرہ کہ "این ہندی تماشا کردہ است"

۵۶- غیر ازیں ہم اے سخن سنجاں تماشا کردنی ست
مدعی ہر آنچہ در نظم خود انشا کردہ است

۵۷- خامۂ جادو طراز شاعر یکتا[۱۲۸ھ] امیر
آنکہ در اقلیم معنی داوریہا کردہ است

۵۸- از رہ انصاف باالفاظ نیکو قطعۂ
در ثنا ئے ساکن بنگالہ انشا کردہ است

۵۹- پاسخ ایراد من اکنوں نباشد از فدا
اے سخن ہر انچہ بروے خامۂ ما کردہ است

قصیدۂ بیانیہ

از

امیر لکھنوی

قطعہ من نتائج طبع دبیر بے نظیر، منشی محمد امیر صاحب متخلص بہ امیرؔ رئیس لکھنؤ سلمہ اللہ تعالیٰ وارتقاہ علیٰ مدارج الاعلیٰ کز اودھ اخبار نقل نمودہ شد۔

۱- بلا تعلیِ مضموں، لکھے ہیں چند اشعار
یہاں مبالغۂ شاعری نہیں درکار

۲- عجب وقائع حیرت فزائے عالم ہے[149]
سنیں، پسند کریں، مالکِ اودھ اخبار

۳- ہوا ہے مستعدِ جنگ، نظیمِ بنگالی
ہوئی ہے[150] غالب و مغلوب میں عجب پیکار

۴- جواب ان کا لکھا، پارسی، قیامت کی
کہاں یہ سنگ رخام[151] و کہاں در شہوار!

۵- یہ کھانے والے ہیں دن رات "سکٹی مچھلی" کے
عفونت ان کی زباں سے نہیں گئی زنہار

۶- خرابی ان سے ہوئی اردوئے معلیٰ کی
"چلم" کو کہتے ہیں یہ "کولکی" خدا کی مار

۷ - "سیاہ قلبؓ" کا مضمون 'سپر ہے' سلہٹ کی
پناہ دے نہ اسے 'تیغ حیدر کرار'

۸ - "سپاہیؓ زادے" کا اس نے جواب خوب لکھا
کہ میرا دادا تھا 'نادر' کی فوج کا سالار

۹ - کسی کے جد کو بناتے جو کوئی اپنا جد
کبھی دروغ کو ہوتا نہیں فروغ اے یار!

۱۰ - وہ اپنے جد کا بتائیں خطاب سرداری
میاں گنجفہ تھے کون نادری اسوار؟

۱۱ - بغیر نام و نشاں کس طرح یقین آوے
خلاف محض یہ جدّ جدید کا اظہار

۱۲ - یہ ان کے اب، جدِ فاسد کی بگڑی ہے ابجد
بتائیں وہ کوئی نام اس مقام پر زردار

۱۳ - اسی طرح سے کلام ان کا سب ہے مصنوعی
دروغ نظم سے کیوں کہ نہ ہو جہاں بیزار

۱۴ - رقم کیا ہے جو 'ہر جا' کی جا پہ اب 'جا جا'
یہ 'جا جا' کون مرض کی دوا ہے اے بیمار؟

۱۵ - صحیح فارسی میں ہم نے مانا ہے "جا جا"
فصاحت اس کی تکلم میں ہے بہت دشوار

۱۶ - زبان بریدہ بکنجے نشستہ صمٌ و بکمٌ
خموش رہنا ہے اُنؓ کے لئے بہ از گفتار

۱۷- خدا گواہ کہ اب عافیت اسی میں ہے
وگرنہ ان کے لئے ہوگا مضحکہ بسیار

۱۸- امیرنے رہ گم کردہ کو ہدایت کی!
انہیں یہ چاہیئے اس بات کے ہوں شکرگزار

۱۹- سنو بیان، اسد اللہ خان غالب کا
زمانہ ان کے حسب اور نسب سے واقفکار

۲۰- خطاب یافتہ ہیں وہ، رئیس دہلی کے
زمیں سے تا بہ فلک، حسن خاندان اظہار

۲۱- وہ اپنے عصر کے "خاقانی" و "نظیری" ہیں
نظیر ان کا جہاں میں کہیں نہیں زنہار

۲۲- سخن کی داد ملے زندہ ہو جو فردوسی
کلام ان کا وہ نام خدا ہے باغ وبہار

۲۳- وہ نظم حضرت غالب، جہاں میں غالب ہے
انہیں کے قول پر آفاق کا ہے دارومدار

۲۴- اساتذہ میں یہاں ناسخ جہاں، منسوخ
انہیں سے طالب اصلاح شاعران دیار

۲۵- زمانہ ہم کو بھی کہتا ہے منصف الدولہ
فہیم شعر ہیں، البتہ شاعری دشوار

۲۶- لکھا ہے ہم نے بھی اک مختصر جہان آشوب
کتے ہیں اس میں قلم بند، ہفت صد اشعار

۲۷- جو سرگزشت کہیں کی نئی سنی، لکھی
لکھا، امیرنے یہ واقعہ بھی آخرکار

جوابِ تحریرِ شمس لکھنوی

از

سخن دہلوی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

جوابِ تحریرِ میر آغا علی صاحب شمس لکھنوی، مطبوعہ اودھ اخبار مورخہ ۲۵/ ماہ جون سنہ ۱۸۶۷ء معہ جواب اعتراض، از نتائجِ طبع بلند، آسمان پیوند، شاعرِ بے نظیر، دبیرِ جادو تحریر، جناب سیّد فخرالدین حسین دہلوی، سخن تخلص، تلمیذِ و نبیرۂ حضرتِ شہنشاہِ اقلیمِ معانی، مہرِ سپہرِ سخندانی، جناب نجم الدولہ دبیرالملک، نواب اسداللہ خان بہادر، نظام جنگ، غالب تخلص، اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ۔

الحمد للہ الذی نوّر قلوبنا بنور الایمان، والصلوٰۃ والسلام علی افضل رسل، محمد نزّل علیہ القرآن وعلی آلہ المطہرۃ واصحابہ البررۃ الاتقیا ومعدن الجود والاحسان۔

اما بعد ارباب فضل پر مخفی نہ رہے، کہ انسان کو براہِ تعلی بے ضرورت اظہار اپنے حسب و نسب کا اپنی زبان سے زیبا نہیں۔ تحریر میں اپنی علمیت کا اعلان اور براہِ تعصب کسی کے مذہب پر طعن ہرگز روا نہیں۔ بقول شخصے "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار[158] گوید" مگر چونکہ پہلے میاں شمس کی جانب سے ہدایت[159] ہوئی، اس لئے اس کے جواب کی مجھ کو بھی توفیق اور ہدایت ہوئی۔ ان کو اگر اہل دہلی پر اعتراض اور اپنی ہمہ دانی کا غرور ہے، تو ادھر بھی جواب شافی دے کر آگاہ کرنا ضرور ہے۔

سنیے! جناب آغا علی صاحب، کہ نام میرا سیّد فخرالدین حسین، تخلص میرا

سخن، دہلی میرا مولد، لکھنؤ میرا مسکن، حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی، رضی اللہ عنہ کی اولاد ہوں۔ اہل سنت و جماعت، چشتیہ طریقہ، سلسلۂ قادریہ میں بیعت، مذہب حنفی حضرت غالب مدظلہ العالی کا نواسا اور شاگرد ہوں۔ شمس اور قمر میرے بھی دو تلمیذ رشید ہیں۔ ان کا استاد ہوں۔ اگر آپ نے علم صرف و نحو اور فارسی کا، قاضی محمد صادق خان اختر سے پڑھا، تو میں نے بھی علم عربی کا حافظ عبدالرحمٰن مغفور اور مولوی محمد علی صاحب دہلوی سے حاصل کیا۔ اگر آپ شاعر اور منشی ہیں، تو میں بھی اس فن میں کامل اور خوش بیان ہوں۔ آپ نے چند غزلیں کہی ہوں گی، میں صاحب دیوان ہوں۔ اگر آپ کو ریاضی اور تاریخ گوئی میں دخل ہے، تو میں بھی جانتا ہوں، آپ کو کب مانتا ہوں۔ آپ کو انہیں چند علوم میں وقوف حاصل ہے، مجھ کو آپ سے زیادہ علم فقہ اور تفسیر اور حدیث میں استعداد کامل ہے۔ آپ اگر بے نظیر ہیں، تو میں بے عدیل ہوں۔ آپ اگر لکھنؤ میں خوش باش ہیں، تو میں وکیل ہوں۔ آپ کو اگر اپنی زبان دانی کا دعوئی ہے، تو ایسی زبان دہلی کے عوام الناس بولتے ہیں، لکھنؤ کے فصیحوں کا دم بند کرتے ہیں، وہاں کے شعرا پر از راہ اعتراض زبان کھولتے ہیں۔ "لکھنؤ" کے افصح الفصحا مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور تخلص نے کتاب "فسانۂ عجائب" تالیف کی۔ میں نے "سروش سخن" ان کے جواب میں تصنیف کی۔ وہ بمطبع ممدوح جہان، شفیق و مکرم، مخدوم معظم، جناب منشی نول کشور صاحب کے چھپ گئی لیکن (د) تامل ملاحظہ کیجئے۔ انصاف کو ہاتھ سے نہ دیجئے۔

آپ نے اپنے بزرگوں سے سنا ہوگا کہ میرے اجداد امجاد حضرت سید شاہ خواجہ حسین اور خواجہ حسن اور شاہ قطب اعظم قدس اسرارہم نے حسب خواہش و اصرار نواب آصف الدولہ مرحوم لکھنؤ میں سکونت اختیار فرمائی۔ باوجودیکہ

اختلافِ مذہب تھا اور روزمرہ کی ملاقات تھی، مگر مذہب کی گفتگو کبھی کسی کی زبان پر نہ آئی۔ دہلی میں تو آپ کے مذہب کے لوگ خال خال تھے مگر لکھنؤ میں اکثر فارغ البال تھے۔ بیتم نگر، محمود نگر، فرنگی محل یہ دو تین محلے لکھنؤ کے اہل سنت وجماعت سے آباد تھے، زمانۂ سلطنت میں کبھی کوئی ہم لوگوں سے آنکھ نہ ملا سکتا تھا۔ سب مطیع ومنقاد تھے۔ اب کہ سرکار دولت مدار ملکۂ معظمہ دام اقبالہا کی عملداری ہے، قانون تعزیراتِ ہند جاری ہے۔ باوجود اس کے آپ نے بڑی جرأت کو کام فرمایا، کہ آپ نے اپنی تحریر میں اہل سنت وجماعت پر مذہبی طعن کیا، دفعہ تعزیراتِ ہند کا مطلق خیال نہ آیا۔ ابھی جو کوئی برسرِ پرخاش آئے، تو حضرت قافیہ تنگ ہو جاتے۔ طرفہ تر یہ کہ صاحب صحیفۃ الملک الاخبار کے جواب میں آپ نے بہت زور شور کی تحریر سے اس بیچارے پر ایک جرم قائم کیا، اور یہ نہ سمجھے کہ اس تحریر سے وہ جرم آپ پر عاید ہوا۔ یعنی پہلے تو آپ نے حضرت محل مادرِ برجیس قدر کی سرداری سے انکار کیا، پھر علی الرغم صاحب صحیفۃ الملک الاخبار بتکرار اس کی اور تخت نشینی سے اقرار کیا۔ اور حکومت اس باغیہ کی مثل حکومت سرکار ملکۂ معظمہ دام اقبالہا کے سمجھی۔ دوسری تقریر کا آپ کی خلاصہ یہ ہے کہ شاہ دہلی کے جو خارج ہونے کا خیال ہے اس کا سخت ملال ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو بھی بیگم باغیہ کے خارج ہونے کا بہت الم ہے، "انتہا کا غم ہے" کہ آپ کے قول کسی زمانے میں جس کے نمک خوار تھے، اس کو اپنے مقابلے میں حضرت مٹیا بُرج بنایا، صاحب اخبار کو جھلا کے یہ فقرہ سنایا تھا۔ آپ کی طرز تحریر سے آپ کے دل کا مطلب خوب سمجھے، مگر ہم اس کے اظہار کو اس مقام میں معیوب سمجھے۔

آپ کے استاد قاضی محمد صادق خان اختر کو اور تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا، مگر اتنا کہوں گا، کہ وہ اہل زبان نہیں، کلام ان کا مشہور جہاں نہیں۔

شیخ مہدی علی خاں زکی، اور دوسرے لالہ جی اشکی، جن کو آپ نے "ملک الشعرا" کے خطاب سے سرفراز فرماکے اپنا استاد قرار دیا ہے۔ ان کو توسوائے آپ کے اور کوئی بھی نہیں جانتا، وہ ہیں، تو کیا ہیں؟ جنہیں کوئی نہیں پہچانتا۔ اور کیوں حضرت وہیں کے کہلاتے ہو! دلی اور ساکنان دہلی پر منہ آتے ہو! محیط دہلی کے نہیں، تو لکھنؤ کے ہو، ٹانڈہ کے ہو، یا متو کے رہو۔ اگر لکھنؤ کی تمہارے پاس سند ہے، تو سنو! لکھنؤ اور کو نہ ہم صدد (۱۱۱) ہے۔ کوئی لاتیزقی، مثل مشہور ہے، لکھنؤ کا اپنے تئیں کہو تو یہ تمہاری دانشمندی سے دور ہے۔ خیر، تم کہیں کے ہو! اس سے کچھ مطلب نہیں، مگر ہم تو رہنے والے شاہ جہان آباد کے ہیں، اور شاگرد ایسے استاد کے ہیں، جن کا تم کلمہ پڑھتے ہو، جن کے کہلاتے ہو۔ شرم نہیں آتی! اسداللہ خان غالب سے لڑتے ہو، ان پر منہ آتے ہو۔ خدا کی قدرت، شاہ جہان آباد اور تمہارے تیر جفا کا نشانہ، مورخ ہونے کا دعویٰ اور اس قدر تجاہل عارفانہ۔

اب اگر چھیڑا ہے تو ابتدا سے چلئے۔ دہلی میں اردو زبان کی بنیاد ہوئی، وہیں سے یہ ایجاد ہوئی۔ دہلی میں صدہا اولیائے کرام اور بزرگان دین، مدفون ہیں، جن کے اب تک تصرف ہو جاتے ہیں۔ لکھنؤ میں سوائے شاہ مینا صاحب کے اور بھی کوئی حضرت نظر آتے ہیں؟ دہلی میں علما ایسے ہوئے کہ جن پر آپ کے مجتہدوں نے خار کھایا۔ ہندوستان میں ثانی ان کا نظر نہ آیا۔ دہلی میں ایسا زبردست شاعر ہوا جس کو آپ کے ناسخ وغیرہ سب مانتے تھے اپنا استاد جانتے تھے۔ اس میں اہل لکھنؤ کو کسی طرح گنجائش تقریر نہیں کیوں کہ خود کہہ گیا ہے ؎ :

"آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں"

اور میرے استاد، جن کا ہندوستان سے ایران تک نظیر نہیں۔ ان کو تم بھلا کب مانوگے زیادہ کہوں گا تو دشمن جانوگے۔ سچ کہتا ہوں، جو تمہاری تحریر دیکھتا

ہے، لاحول پڑھتا ہے، اور یہ کہتا ہے، کہ یارو! ع

"مینڈکی کو بھی لوزکام ہوا"

یہ جو مثل مشہور ہے وہ اس جگہ صادق آئی، قدرت حق کا ظہور ہے۔ جن کا ہند میں آج تک نہ کوئی نہ مقابل ہوا، آپ کا کلام میاں شمس کے اعتراض کے قابل ہوا اور وہ بھی کون؟ میاں شمس زہرہ اور مشتری دو رنڈیوں کے استاد جن کا کلام سوائے ایک غزل کے کسی نے سنا نہیں پس اگر شاعری کا دعوی ہے تو کوئی کلیات فارسی کیسی اردو کا دیوان بھی کسی نے دیکھا نہیں کوئی دیوانِ اُردو، تین ہی جزو کا چھپواؤ۔ ذرا ہم کو دکھاؤ۔ پھر مناظرہ کا مزہ دیکھیو۔ اور اگر یونہی اندھا دھند سنتے لڑوگے، تو منہ کے بل گر پڑوگے، زک اٹھاؤگے جاہلوں میں شمار کیے جاؤگے۔ سکناے دہلی کی وضع پر ہنستے ہو، پھبتیاں کہتے ہو، آوازے کستے ہو۔ معلوم ہوا کسی بانکے جوان دہلی والے نے تمہارے کان کا میل نکالا، جو اہل دہلی کو کان میلیا بنایا، سلائی ذرا گہری چبھوئی، جو ایسا کلمہ زبان پر آگیا۔

دوسروں کی پگڑی کیا تکتے ہو؟ پہلے اپنی ٹوپی تو سنبھالو! تم پہلے کہہ چکے، تو اب ہم سے سنو! کہ لکھنؤ کے خواص و عوام، وضیع و شریف، ادنیٰ اور اعلیٰ، ہندو مسلمان شیخ، سید، مغل، پٹھان، اکثر ڈاڑھی منڈواتے ہیں۔ لیکن جانو زنانی اور کے معلوم ہوتے ہیں، سب امرد نظر آتے ہیں۔ کہتے ہو! کہ دلی والوں کو پکڑنے کی عادت ہے، میں کہتا ہوں لکھنؤ والوں میں یہ علت ہے۔ یاد رکھو! جو گومتی میں نہایا، اس نے "نابوبن" کا لقب ضرور پایا اب تم ہی انصاف سے کہو! کہ گومتی کہاں ہے؟ ہم تو جمنا جانتے ہیں۔ دہلی میں یہی دریا رواں ہے۔

سخندانان جواب است ایں نہ جنگ است

"کلوخ انداز را پاداش سنگ است"

اور یوسف مرزا صاحب دہلوی نے جو "چوپٹیا" (اہلکا) کے لفظ پر اعتراض کیا، تمہارا جواب یہ ہے کہ "چورتیا" کی دلیل سے چوپٹیا کہنا درست ہے، میں کہتا ہوں کہ محلہ کے نام کے لئے یہ کلیہ آپ کا محض غلط، اور یہ تقریر نہایت سست ہے دوگنوان محلہ جو لکھنؤ میں واقع ہے، اس کو بحذفِ نون "دوگنوا" کیوں نہیں کہتے؟ "پنج بھیو کا" دوسرا محلہ جو ہے، اسے "پنج بھیا" کیوں نہیں بولتے؟ علاوہ اس کے "چورتیا" عَلَم نہیں ایک چیز کی صفت ہے، اور الف اس کے آخر میں فاعل کی علامت ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ "بالطے چار رتیوں والا" جیسے "لکھنوی" میں حرف یا (ی) علامت فاعل کی ہے، یعنی "لکھنؤ کا رہنے والا" "گویّا" گانے والا۔ "طبلچی" طبلہ بجانے والا"۔ بخلاف اس کے چوپٹیاں کہ نام ایک محلے کا ہے، اس میں نون کا حذف سراسر ناروا ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ "قفلی (کو) قلفی اور بھتر کو بھتر، مطنجن کو مطربخن، نہ جاؤ کو مت جاؤ" یہ سب الفاظ مستعمل سکنائے دہلی (ٹکسالی) ہیں" فقط۔ ان منہ زوریوں کا میرے پاس کوئی علاج نہیں، واللہ ایسا مہمل اعتراض کیا ہے کہ مطلق جواب کا محتاج نہیں یعنی اوّل تو یہ بات محض غلط ہے۔ اور اگر بالفرض تسلیم بھی کی جائے تو پہلے میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ محاورہ اور روزمرہ کی سند شاعروں کے کلام سے ہوتی ہے، یا اس کی گرفت صرف بول چال سے عوام کے ہوتی ہے۔ اگر یہی ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ لکھنؤ کے لوگ "تخت کو تخُت" اور "سخت کو سخُت" اور "کم بخت کو کم بخُت بضمِ خائے معجمہ" اور "سبز کو سبُز" اور "سرخ کو سُرُخ بفتح ثانی" اور "حاضر" صیغہ فاعل کو "حاضَر" بفتحِ "ضاد" اور "دروازہ" کو "دَرْوَزَّہ بتشدید" زائے معجمہ" اور "بازار اچھا ہے" کو "بازار اچھی ہے" اور "فکر" کو مذکر کیوں بولتے ہیں؟ اگر بولتے ہیں، تو دوسروں پر کیوں لب کھولتے ہیں؟ اپنے ٹینٹ

کو چھپانا، اور دوسروں کی سُلی چنگی آنکھ میں کھٹکی بتانا، یہ ازراہ حسد نہیں تو کیا ہے ؟ اس کو اعتراض نہیں کہتے، اس کا نام سوداہے۔ مومن مرحوم کا مصرع :

"وہ شوخ گرم گرم ہو۔ آگر چلا گیا"

اس پر آپ نے ازراہِ ظرافت اعتراض کیا، اور حسن معنی سے اس کے اغماض کیا۔ "اگر چلا گیا ہے تو گھبراتے کیوں ہو" میرے استاد کے کلام کو سمجھ نہ سکے۔ غالب بدظلہ :

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

مصرعہ آخر میں دو اعتراض مہمل کئے ایک یہ ؛ کاغذی پیرہن محاورہ فارسی کا ہے، اردو میں اس کا لانا ناروا ہے۔ اس کے جواب میں دو شعر آپ کے استاد قاضی محمد صادق خان اختر کے لکھے جاتے ہیں۔ غور کیجئے! امعہ شرح معرض تحریر میں آتے ہیں۔ اختر :

واے ! رحمی کہ تو برزدہ دامن گذرا!
اس جگہ کہ جہاں عاشق کا ترے مسکن تھا

اختر :

ہے بزم میں کس کے رُخ پر نور کا جلوہ
جو شمع کا انگشت تحیر یہ دہاں ہے

اب فرمائیے اکہ "برزدہ دامن" اور "انگشت تحیر بہ دہاں" محاورہ فارسی کا ہے، یا اردو کا ؟ اگر فارسی محاورہ اُردو میں ناجائز تھا، تو کیوں لکھا ؟ دوسرا اعتراض آپ یہ فرماتے ہیں کہ "ہر" کا لفظ تعمیم کے ساتھ یہاں نادرست

ہے۔ میں کہتا ہوں ، یہ تقریر بھی آپ کی سست[181] ہے۔ تصویر کا اطلاق علی العموم کاغذی تصاویر پر ہے نہ سنگی اور گلی پتلیوں[182] پر۔ "تصویر کھینچنا" سب شاعروں نے باندھا ہے، "تصویر بنانا" کسی نے نہیں لکھا[183] ہے۔ علاوہ اس کے لفظ "نقش" اور "تحریر" کا صاف اس بات پر دال ہے، کہ پیکر تصویر کاغذی استاد کا مقصود ہی تال[184] ہے

ماشاءاللہ! ابھی تک آپ سے بے اعراب، الفاظ صحیح نہیں پڑھے جاتے۔ اَرقام بالفتح کو اِرقام بالکسر پڑھتے[185] ہو لفظ کے معنی کبھی سمجھ میں نہیں آتے سنو، صاحب! "اَرقام" بفتح اول جمع "رقم" کی ہے، جیسے "اصنام" جمع "صنم" کی ہے۔ سبحان علی خان لکھنوی نے اپنے مکتوبات[186] میں اس لفظ کو کتی جگہ لکھا ہے۔ اس کو چاہو بالفتح پڑھو، یا بالکسر یہ اختیار تمہارا ہے[187]۔

[188]"مادہ" کے لفظ پر کس قدر نازاں ہو۔ سارا دیوان دشمنی کی نظر سے چھان ڈالا، بڑی جستجو سے یہ ایک لفظ نکالا۔ معلوم ہوا عربی میں استعداد کم ہے، جو الفاظ صحیح پر اس قدر ستم ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ "مَادّہ" بروزن "نموکل" صحیح ہے فقط۔ اعتراض کرنے پر جان دیتے ہیں، مگر کسی استاد کا اُردو یا فارسی شعر نہیں لکھتے، نہ کسی لغت کا نشان دیتے ہیں۔ دعوئے بے دلیل اور بیجا بحث پر ناحق اس قدر کد ہے، آپ ناواقف ہیں، تو ہم سے سنیئے! کہ "مادہ" بروزن "جادہ" صحیح ہے، اور اصل اس کی "مدّ" ہے، بفتح اول بمعنی "کشش آب" و "آب سیل"، و افزونی آب" و "کشیدن" و "درگمراہی فروگذاشتن" و "دراز شدن چیزے" و "مہلت دادن" و "انداختن نظر لبوئے چیزے" و "اصل چیزے" اس رو سے "مادہ"، "ممد"، "امداد"، "مدید"، "مدد"، و "مواد" ان سب کا ماخذ وہی "مدّ" ہوا، آپ کا اعتراض رد ہوا۔ "مادہ" صیغہ مبالغہ ہے، اور مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ اور "مَادّہ" بفتح دوم نہیں آیا ہے

اور یہ کسی شاعر نے لکھا ہے۔ میرے کہنے کا یقین نہ ہو تو مصرع[188] ملاحظہ کیجیے! اطاعت کر کے تسکین دیجیے!

اور استاد کا مصرع[189]:

"نافہ زمیں ہے، نہ کہ نافِ غزال ہے"

اس میں تو صریح کاتب کی غلطی ہے، کیوں کہ "نہ" اور "یہ" تجنیس خطی ہے۔ ایک کو اس نے لکھا، دوسرے کو بھول گیا۔

پھر کہتے ہو کہ میں نے حضرت غالب کی غزل پر غزل لکھی، طبع آزمائی کی! واللہ غضب کرتے ہو! کہ ایسے مہمل اشعار کی داد طلب کرتے ہو۔ معلوم ہوا، طبیعت ولد ہو؛ ذہن کے چالاک، ہوشیار ہو۔ چند روز میں سعدی علیہ الرحمہ کی گلستان کا جواب کہہ گے اور اگر کچھ جی میں آئے گا تو تھوڑی سی عبارت عربی کی لکھ کے قرآن شریف کے آخر میں لگا دو گے! اللہ بخشے! جناب مولوی سید[190] محمد صاحب مجتہد العصر لکھنوی نے انتقال فرمایا۔ مجھ کو نہایت عجب ہے، کہ آپ کے مذہب کے علما نے آپ کو اپنا مجتہد کیوں نہ بنایا؟ پھر اگر آپ کو غزل پر غزل کہنے کا شوق ہے، تو میں اپنی دو غزلیں اس کے ذیل میں لکھتا ہوں۔ آپ ان غزلوں کے جواب میں دو غزلیں تحریر فرما کے میرے پاس بھیج دیجیے۔ مجھ کو ممنونِ منت کیجیے۔ ناظرین ان غزلوں کے مشتاق رہیں گے، اگر جواب نہ لکھیے گا، تو خدا جانے کیا کیا کہیں گے؟

غزلیات

از
سخن دہلوی

(۱)

یار بھی کرتا ہے تقریرِ سحاب[۱۹۲] و آئینہ
اے خوشا! اقبال و توقیرِ سحاب و آئینہ
قطرہ افشاں، کاکل مشکیں، رُخِ پُر نور پر
صاف دکھلاتی ہے، تصویرِ سحاب و آئینہ
اک نظر دیکھو جو دونوں کی طرف اے شاہ حسن!
معجزے دکھلائے تنویرِ سحاب و آئینہ
میں ہوں عاشق زلف و رُخ کا میں سنو لکارات دن
میرے آگے کیجیے تقریرِ سحاب و آئینہ
آہ مجھ عاشق کی، اور تیری نگاہِ بے پناہ
اے پری پیکر یہ ہیں تیرِ سحاب و آئینہ
میرا رونا، ان کی حیرت، سیر کا ہے یہ مقام
دیکھ لو اک جا ہے تصویرِ سحاب و آئینہ
ہیں اسیر زلف و گیسو اور رخسارِ صنم
برق اور جوہر ہیں زنجیرِ سحاب و آئینہ

دل میں ہے ہر دم خیال اس زلف و رُخ کا اے سخن!
ایک جا کھینچی ہے تصویر سحاب و آئینہ

(۲)

نکلا ہے خطِ یار بہ رنگِ پرِ طاؤس
ہے مملکتِ حسن، بچنگِ پرِ طاؤس
داغوں سے جو یہ غیرتِ گلزار بنا ہے
رکھتا ہے مرا دل سرِ جنگِ پرِ طاؤس
وہ مرہمِ زنگار ہے اس زخمِ جگر پر
اڑ جائے جسے دیکھ کے رنگِ پرِ طاؤس
ہے عشق حسینوں کا، ہر اک جا ت حسیں ہو
ہو داغ کبھی دل پر تو، برنگِ پرِ طاؤس
وہ زخمی و مجبور ہوں، کھل جاتا ہے اکثر
ہے پاس بھی رہنا مرے تنگ پرِ طاؤس
یاد آتا ہے جب مجھ کو خط سبز پری رو
لگتا ہے سخن دل میں خدنگِ پرِ طاؤس

خاتمہ واستدعا

ناظرین پر واضح ہو کہ ضمیمہ اودھ اخبار نمبر ۲۶[193] مورخہ ۲۵ ماہ (جون) ۱۸۶۷ء و ۱۰ اگست، سنہ مذکور کو میرے ملاحظہ میں در آیا۔ میر آغا علی شمس کی تحریر دیکھی، دل بھر آیا، جیسا لکھا تھا ویسا جواب پایا۔ "تکلموا الناس علی قدر عقولہم" کی رعایت کی گئی، زبان اُردو میں تحریر عبارت کی گئی۔ اب صاحبان مالک کل اخبار، خصوصاً صاحب صحیفہ "اکمل الاخبار" کی خدمت شریف میں عرض ہے کہ براہ مہربانی اس تحریر کو درج اخبار فرما دیں۔ مجھ کو ممنون منت کریں اور اپنے احسان سے زیر بار فرما دیں۔ اللہ بس باقی ہوس۔

راقم فقیر مذنب

سخن دہلوی، ۱۲۸۴
سید فخر الدین حسین

(مہر)

شخصیات

ہنگامۂ دل آشوب سے متعلق حسب ذیل چند اہم شخصیتوں کے حالات پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ احمد — آغا احمد علی اصفہانی
۲۔ اختر — قاضی محمد صادق خاں
۳۔ باقر — سیّد باقر علی
۴۔ زُہرہ — امراؤ جان عرف چھٹن
۵۔ سخن — خواجہ سیّد فخر الدین حسین خاں دہلوی
۶۔ سیاح — میاں داد خاں (سیف الحق)
۷۔ شمس لکھنوی — سیّد آغا علی
۸۔ قتیل — مرزا محمد حسن
۹۔ مشتری — قمرن جان عرف مجھو
۱۰۔ ناطق مکرانی — گل محمد خاں

بعض حضرات کا مختصر ذکر توضیحات میں بھی کر دیا گیا ہے۔ بعض کے حالات مقدمے میں آگئے ہیں بعض ایسے حضرات کے نام بھی ہنگامۂ دل آشوب میں آتے ہیں جن کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

سیّد قدرت نقوی

احمد، آغا احمد علی اصفہانی

آغا احمد علی ڈھاکا میں ۱۰ شوال ۱۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام شجاعت علی تھا۔ احمد علی کے آباواجداد ایران سے نادر شاہ درانی کے ہمراہ وارد ہندوستان ہوئے یہاں سے بنگال پہنچے اور مستقل سکونت اختیار کرلی۔ آغا احمد علی کے دادا آغا عبدالعلی خوشنویس تھے اور خطاطی پیشہ تھا۔ یہ ڈھاکے میں اپنے ہی عزیزوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ احمد علی کے والد کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہ ہوسکیں حالات یہ بتلاتے ہیں کہ ڈھاکے میں خوشحالی سے بسر کرتے تھے۔

آغا احمد علی کا تاریخی نام مظہر علی تھا، ڈھاکے ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس زمانے کے مشہور ادیب، عالم اور شاعر خواجہ اسداللہ کوکب کے شاگرد تھے عربی و فارسی انھی سے پڑھی۔ فارغ التحصیل ہوکر فارسی اور اردو میں شعر کہنا شروع کیا، احمد تخلص تھا۔ نساخ نے ان کے فارسی و اردو اشعار دیکھے تھے عروض و قافیہ میں کافی دستگاہ تھی۔

۱۸۶۲ء میں ڈھاکے سے کلکتہ آئے۔ ایک درس گاہ "مدرسہ احمدیہ" قائم کی ۱۸۶۴ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں فارسی کے مدرس مقرر ہوئے۔ غالب کی قاطع برہان کے جواب میں "موید برہان" لکھی۔ یہ کتاب کافی محنت سے لکھی گئی تھی اور "قاطع برہان" کے سلسلے میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ غالب نے اس کے جواب میں فارسی قطعہ لکھا۔ جس کی بدولت "ہنگامہ دل آشوب" کا ظہور ہوا۔ غالب کی "تیغ تیز" کا جواب "تیغ تیز تر" (شمشیر تیز تر) لکھ کر دیا گیا۔

احمد علی کی تصانیف میں "ترانہ" رباعی کے متعلق ایک رسالہ ہے۔ "اشتقاق" میں فارسی صرف ونحو پر بحث ہے اور "ہفت آسمان" میں فارسی مثنوی کی تاریخ بیان کی گئی ہے "مویدِ برہان" اور "شمشیرِ تیزتر" قاطع برہان کی تردید میں لکھیں۔ ان کے علاوہ ایشیاٹک سوسائٹی کی مطبوعہ کئی کتابوں کی تصحیح بھی انہوں نے کی ہے۔

آغا احمد علی نے ڈھاکے اور کلکتے میں معلم کی حیثیت سے زندگی بسر کی۔ اس لئے ان کے شاگردوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ سید محمود آزاد اور سید محمد آزاد بھی ان کے شاگردوں میں تھے۔ مولوی معراج الدین واصف اور مولوی محمد اشرف اشرف کا ذکر بھی احمد علی نے اپنی کتاب "ہفت آسمان" کے آخر میں کیا ہے۔ ابوالعاصم عبدالحلیم عاصم بھی ان کے شاگرد تھے۔ مولوی عبدالصمد فدا سلہٹی ان کے عزیز شاگردوں میں سے ہیں۔ غالب کے قطعے کا جواب انھی سے منسوب ہے۔

آغا احمد علی نے صرف ۴۵ سال کی عمر پائی۔ ۲ ربیع الثانی ۱۲۹۰ھ میں چند روز بخار میں مبتلا رہ کر اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ "واصل حق آغا احمد" سے نساخ نے تاریخ وفات نکالی۔ ان کی خوش اخلاقی اور شریف النفسی کی تعریف کی گئی ہے۔

اختر، قاضی محمد صادق خاں

محمد صادق نام، اختر تخلص ولد قاضی محمد لعل، سلسلۂ نسب خواجہ عبداللہ احرار تک پہنچتا ہے۔ باشندہ ہوگلی شہر، نزد کلکتہ۔ شاگرد مرزا محمد حسن قتیلؔ۔ تعلیم و تربیت ہوگلی اور کلکتہ میں ہوئی۔ سن ولادت تخلص "اختر" سے ۱۲۱۱ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ کلکتہ سے لکھنؤ غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے زمانے میں آئے ان کو ملک الشعراء کا خطاب عطا ہوا تھا۔ واجد علی شاہ نے "اخگر خوش تر" تخلص عنایت کیا تھا یہ لکھنؤ میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور رہے۔ غازی الدین حیدر کی تعریف میں "محامد حیدری" لکھی اور اسی پر ملک الشعرا کا خطاب ملا۔ فارسی شعرا کا تذکرہ "آفتاب عالم تاب" لکھا تھا۔ نواب صدیق علی خاں نے اپنے تذکرے "شمع انجمن" میں اس سے بڑی مدد لی تھی۔ ایک ضخیم کتاب "مطلع العلوم و جامع الفنون" فارسی میں لکھی۔ مطبع نولکشور سے اس کا اردو ترجمہ چھپا تھا۔ اس کو انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ دیوان فارسی و اردو بھی ہے۔ ان کی متعدد تصنیفات ہیں۔ دو کتابوں کے نام یہ ہیں: "گنج نیرنگ"۔ "مثنوی سراپا سوز"۔ فن شعبدہ میں باکمال تھے۔ کیمیا گر بھی مشہور تھے۔ اور بھی فنون میں دخل رکھتے تھے۔ زیادہ تر فارسی میں شعر کہتے تھے۔ اردو میں بھی خاصی مہارت تھی مگر کم کہتے تھے۔

اختر کے شاگرد بھی بہت سے تھے۔ میر آغا علی شمس نے ان سے فیض حاصل کیا۔ اس سے زیادہ حالات کا علم نہ ہوسکا۔ ان کی وفات اٹاوہ میں ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۸ء) کو ہوئی۔

ان کے کچھ اشعار لکھے جاتے ہیں تاکہ انداز بیان معلوم ہو جائے۔ یہ حقیقۃ ہے کہا رد و کلام میں زیادہ جان نہیں۔ فارسی میں قتیل کی شاگردی اور اس، کا تتبع صاف ظاہر ہے۔ انتخاب اشعار میں بڑی احتیاط سے عمدہ ہی شعر منتخب کئے ہیں۔

خراب آباد ہستی پر خطر تھا اس لئے ہم نے
عدم کے دشت میں جاکر اتارا کارواں اپنا
چمن میں بن ترے اے یار جانی!
ہمیں ہے بوئے گل سے سرگرانی
مرا ہے محشر فریاد ہر شعر
بجا ہے گر مجھے کہیے فغانی
لہو روے سے اشک دیدۂ نمناک رنگیں ہے
برنگ گل ہمارا دامن صد چاک رنگیں ہے
تا سر پر آرائے اقلیم جنوں ہو جاؤں میں
میرے سر پر ظل کاکل سے ہمائی کیجئے
آہ جاں سوز کہ در سینۂ من شعلہ کش است
ایں چرا غیست بسے لیکن مزار دل من
خط بر آوردی و ذیشانی ہنوز!
پیشوائے سادہ رو یانی ہنوز!
اشرے کہ وارد آہم کشد انتقام روزے
کشدم گرا منتظارش کشد انتظام اورا

باقر، سیّد باقر علی

باقر علی کے بزرگوں کا تعلق مدینہ منورہ سے ہے۔ ایک بزرگ خواجہ رکن الدین عبدالرحمٰن البجیر، خلیفہ منصور عباسی کے زمانے میں حکومت کی سخت گیری کی وجہ سے گازرون (فارس) چلے آئے۔ یہاں سے ان کی اولاد سرخس منتقل ہوئی۔ ہندوستان میں اس خاندان کے بزرگ خواجہ شہاب الدین عبدالرحمٰن ثانی تشریف لاتے۔ پانی پت مسکن بنا۔ حضرت مخدوم شاہ داؤد طلب علم کی غرض سے صوبہ بہار تشریف لے گئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ باقر کے والد حضرت شاہ وارث علی اسی بزرگ خاندان کے فرد تھے۔ ان کی اولاد میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ باقر علی سب سے چھوٹے تھے۔

باقر علی ۱۹ر جون ۱۸۳۱ء مطابق ۸ر محرم ۱۲۴۷ھ کو پیدا ہوئے۔ ولادت کے ڈھائی سال بعد والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ان کی تعلیم و تربیت والدہ نے کی۔ سب سے پہلے کلام پاک حفظ کرایا۔ فارسی کی تکمیل گھر ہی پر استاد مقرر کر کے کرائی عربی شروع کی تھی مگر سلسلہ جاری نہ رہا۔ مدت کے بعد مولانا مہدی حسن سے عربی پڑھی۔ اس زمانے کے مروجہ فنون سپہ گری، خلیفہ مداری، میر یار محمد اور میر کریم اللہ سے حاصل کئے۔ امراؤ خاں بھوپالی سے بندوق چلانی سیکھی۔

باقر کے والد انگریزی عملداری میں ملازم تھے، سررشتہ عدالت سے وابستہ رہے۔ باقر نے ملازمت اختیار کی۔ ۱۸۵۹ء میں سررشتہ افیون میں گماشتہ کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ ۱۸۸۹ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر آرہ میں سکونت اختیار کی۔ ملازمت کے بعد ان کی تندرستی ٹھیک نہیں رہی۔ معدے کا مرض تھا کبھی

شدید قبض ہو جاتا اور کبھی اسہال آنے لگتے۔ ۲۲ جولائی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو بعارضۂ اسہال آپ کا انتقال ہوا۔ جنازہ پیر بکہ لایا گیا اور یہاں اپنے خاندانی قبرستان میں اپنی والدہ کے قریب دفن ہوئے۔ ان کے تین بیٹے عطا حسین، عبدالصمد اور عبدالکریم تھے جو اچھے عہدوں پر مامور تھے۔

باقر کے والد بھی شاعر تھے، اشکی تخلص تھا۔ کسی طرح شاعری باقر کو ورثے میں ملی تھی۔ باقر اردو میں کم اور فارسی میں زیادہ لکھتے تھے۔ ان کی قادر الکلامی ہنگامۂ دل آشوب میں شمس و قطعات سے بخوبی ظاہر ہے۔ علمی قابلیت قطعات کے مضامین اور شمس کے جوابی مضمون سے ہویدا ہے۔ تین اردو شعر ملاحظہ فرمائیے۔

شکل تصویر ہو خاموش، تماشا کیا ہے
بیٹھے بیٹھے کھنچے جاتے ہو یہ نقشہ کیا ہے
تمہاری دید کی حسرت میں دیکھو جان جائیگی
کھلی رہ جائیں گی آنکھیں نکل جائیگا دم اپنا
کلیجہ تھامے ہاتھوں سے مرے گھر روز آنے گے
کسی دن تو اثر دکھلائے گا اندوہ غم اپنا

فارسی کلام کے لئے قطعات ملاحظہ فرمائیے۔

اردو سہ ماہی بابت جنوری ۱۹۲۶ء میں ہنگامۂ دل آشوب جن عطا حسین صاحب کی کوشش سے چھپا، وہ باقر ہی کے صاحب زادے ہیں۔

زہرہ، امراؤجان عرف چھٹن

امراؤجان نام، بی چھٹن صاحبہ عرف، زہرہ تخلص۔ ان کی ماں امام باندی کا وطن سیتاپور تھا۔ سیتاپور سے خیرآباد آگئیں یہیں زہرہ اور مشتری کی ولادت ہوئی۔ خیرآباد سے لکھنؤ پہنچی۔ زہرہ و مشتری کی تربیت لکھنؤ میں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ طوائفوں کی تہذیب و سلیقہ مندی ضرب المثل تھی۔ ان کی تعلیم کے لئے آغا علی شمس مقرر ہوتے جن کے حالات آئندہ صفحات میں لکھے جائیں گے۔ تمام تذکرہ نویسوں نے ان کی تعلیم و تربیت کی تعریف کی ہے۔ واجد علی شاہ کا عہد تھا ان دونوں کی شہرت نہ صرف لکھنؤ میں بھی بلکہ سارے ہندوستان میں ان کا نام گونج رہا تھا۔ ان دونوں کے حالات متعدد تذکروں میں ملتے ہیں۔ مگر ہم رنج میرٹھی کے تذکرہ "بہارستان ناز" کی عبارت نقل کرتے ہیں اگرچہ عبارت کا ڈھنگ اب سے سو سال پہلے کا ہے لیکن لطف سے خالی نہیں یہ تذکرہ مطبع عثمانی میرٹھ سے ۱۲۸۱ھ میں طبع ہوا تھا:

"زہرہ تخلص، امراؤجان نام، بی چھٹن صاحبہ مشہور، شعر گوئی میں مشہور شوخ طبعی میں شہرہ دور دور، میر آغا علی شمس کی شاگرد ہیں۔ اور انھوں نے ہی بنایا ہے۔ میر جی کا شہرہ اظہر من الشمس ہے، زہرہ کی زبان کو انہوں نے چمکایا ہے۔ شاگرد اگر اچھا ہو تو فخر استاد ہے، زہرہ کی بدولت میاں شمس کی ہر دم سب کو یاد ہے۔ اب بی مشتری کی تحریر سے معلوم ہوا کہ پانچ برس سے اس شاعرہ نے کسی رئیس عالی خاندان سے عقد کر لیا اپنا دامن تر، گوہر ہائے توبہ و استغفار سے بھر لیا۔ شعر گوئی کو بھی

ترک کر دیا۔ دیکھیے اچھوتوں کی صحبت نے اچھا ہی اثر دیا۔ خدا کرے چیچک کی
عادت نہ اختیار کر لے۔ ہمیشہ کے لئے پردہ نشینی ہی اپنا شعار کر لے (ص ۴۹)

یہ انداز بیان طنز آمیز ہے۔ اس میں زہرہ ومشتری اور ان کے استاد پر گہرا طنز ہے
شاید یہ غالب کی مخالفت کا انعام ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ ڈیرے دار طوائفوں میں
ان کا ڈنکا بج رہا تھا۔ اور یہ اپنے سامنے کسی کو پر تی ہی نہیں تھیں۔
زہرہ کی پیدائش ووفات کا سنہ معلوم نہ ہوسکا۔

سخن، فخرالدین حسین خاں دہلوی

فخرالدین حسین سخنؔ دہلی میں ۱۲۵۸ھ کے قریب پیدا ہوئے۔ ان کے والد خواجہ جلال الدین حسین عرف حضرت صاحب تھے۔ ان کے بزرگ لکھانی ہی صوبۂ سندھ سے دہلی منتقل ہوئے تھے۔ دہلی سے اس خاندان کے کچھ افراد لکھنؤ چلے گئے اور ممتاز عہدوں پر مامور تھے۔ سخنؔ کا بچپن دہلی میں گزرا سن شعور تک دہلی ہی میں رہے مگر گیارہ بارہ سال کی عمر میں یہ بھی لکھنؤ چلے گئے۔ ۱۸۶۰ء میں ان کے پھوپھا مرزا محمد ابراہیم اپنے وطن آرہ لے آئے اور اپنی لڑکی سے شادی کردی۔ ۱۸۶۱ء میں سخنؔ نے وکالت میں درجہ اول کی سند حاصل کی اور مدتوں آرہ میں وکالت کرتے رہے۔ حکام کی سفارش سے منصفی کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ اسی زمانے میں انگریزی سیکھ لی اور سب جج مقرر ہوئے۔

فخرالدین حسین سخنؔ نے بچپن میں فارسی غالبؔ سے پڑھی تھی۔ جب شاعری کا شوق ہوا تو غالبؔ ہی سے اصلاح بھی لینے لگے۔ غالبؔ سے کچھ رشتہ داری بھی تھی لیکن رشتہ کی وضاحت نہ ہوسکی۔ سخنؔ نے مرزا رجب علی بیگ سرورؔ کی فسانۂ عجائب کے جواب میں سروش سخن لکھی۔ سروش سخنؔ تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۷۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ اردو نثر بہت اچھی لکھتے تھے۔ سرورؔ نے جو دہلی کی زبان پر چوٹ کی تھی۔ سروش سخن میں اس کا جواب دیا ہے۔ ایک اور تصنیف تہذیب النفوس اپنے بیٹے کی تعلیم کے لئے لکھی تھی اردو دیوان کی تقریظ غالب نے لکھی تھی اس میں خود

لیا، کانا نا بتایا تھا۔ فارسی کلام غیر مطبوعہ ہے۔

"ہنگامۂ دل آشوب" میں انہوں نے اپنے استاد کی خوب حمایت کی ہے۔ قطعات اور نثری مضمون سے ان کی قادر الکلامی اور علمی استعداد پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ چند شعر پیش کئے جاتے ہیں:

خوش و ناخوش بسر ہو جائے گی یہ زندگی لیکن
جسے آرام کہتے ہیں نہ یاں ہوگا نہ واں ہوگا

یوں ناز تو ہر ایک ترا قہر ہے لیکن
اک بات نئی ہے ترے بے ساختہ پن میں

تری طرح کوئی پیماں شکن، جہاں میں نہیں
کہ جس کے قول میں انکار، جس کی ہاں میں نہیں

نہ منہ کھلواؤ سب کے سامنے، جانے دو کیا حاصل
سبب تم جانتے ہو، میری رنجش ہائے پنہاں کا

پھر اپنے گھر وہ بلا گئے ہیں، غضب کا مژدہ سنا گئے ہیں
پھر ان کے دم میں ہم آگئے ہیں کہ جن سے دھوکا اٹھا چکے ہیں

سیّاح میاں داد خاں

میاں داد خاں نام، سیاح تخلص، سیف الحق غالب کا دیا ہوا خطاب۔ اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد منشی عبداللہ خاں اورنگ آباد کے صاحب حیثیت رئیس تھے۔ سیاح کا بچپن خوشحالی میں گزرا۔ بڑے ہوئے تو جاگیرداخِتم ہو چکی تھی افلاس اور تنگ دستی کا دور دورہ تھا۔ گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ مختلف علاقوں اور شہروں کی سیر کی تھی۔ اس لئے غالب نے ان کا تخلص عشاق سے بدل کر سیّاح رکھا تھا۔ کیونکہ ہندوستان کے طول و عرض بلکہ عرب و عجم کی سیر بھی کر چکے تھے اس لئے یہ تخلص بھی صادق آیا۔

۱۸۶۲ء میں میر غلام بابا رئیس سورت کے مصاحب بن چکے تھے۔ یہاں ان کی زندگی خوشحالی میں بسر ہوئی۔ مگر سیاحی کا شوق ایسا تھا کہ اس مصاحبت کے باوجود یہ مختلف مقامات کا سفر کرتے رہتے تھے۔ غالب کے خطوط میں مختلف مقامات کی سیاحت کا ذکر ملتا ہے۔ دہلی۔ لکھنؤ۔ بنارس۔ کانپور۔ کلکتہ وغیرہ کا سفر کیا تھا۔

منشی نولکشور سے بھی ان کے گہرے مراسم تھے۔ سیر سیاح میں ان کے ساتھ کشمیر جانے کا تذکرہ موجود ہے۔ لکھنؤ اور کانپور میں کافی دن قیام رہا۔ مشاعروں کا بہت شوق تھا۔ جہاں پہنچتے مشاعرے کراتے۔ سیر سیاح میں کئی مشاعروں کی روداد ملتی ہے۔

سیاح بڑے یار باش، زندہ دل اور بذلہ سنج انسان تھے۔ طبیعت میں ظرافت

کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ جہاں جاتے وہاں کے لوگوں سے بہت جلد بے تکلف ہو جاتے کپڑوں کا بڑا شوق تھا۔ عطر کے رسیا تھے۔ جہاں سے گزرتے گلی کوچے مہک اٹھتے اور لوگوں کو علم ہو جاتا کہ سیاح گزرے ہیں۔ فارسی بھی بڑی اچھی بولتے تھے۔

غالب نے قاطع برہان کی بحث کے سلسلے میں ایک رسالہ لطائف غیبی ان کے نام سے چھپوایا تھا۔ اس کا ثبوت اس خط سے ملتا ہے جو غالب نے لطائف غیبی کی تیس جلدیں بھیجنے کے بعد ایک جلد تصحیح کر کے بھیجی تھی اس کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"خط میں آپ نے بہت سے مطالب لکھے مگر تیس کتابوں کے دو پارسلو کی رسید نہیں لکھی۔ یہ ایک پارسل جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے اس میں وہی لطائف غیبی ہے جس کو میں نے اپنے مطالعے میں رکھکر صحیح کیا ہے اس کے بھیجنے سے یہ مدعا ہے کہ تم ان تیس رسالوں کو اس کے مطابق صحیح کر لو اور اگر چھوٹے صاحب نے رکھ لیا ہے تو ان سے مستعار لے کر اپنی سب کتابیں صحیح کر لو اور وہ نسخہ ان کی نذر کر دو۔

صاحب! میں نے اپنے صرف زر سے لطائف غیبی کی جلدیں نہیں چھپوائیں مالک مطبع نے اپنی بکری کو چھاپیں۔ بیس میں نے مول لیں۔ تیس تم کو دلوا دیں۔ بیس بھائی ضیاء الدین نے لیں۔ دس مصطفیٰ خاں صاحب نے لیں۔ باقی کا حال مجھے معلوم نہیں۔" (خطوط صفحہ ۲۲۹)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ سیاح کو تو اس کتاب کا علم صرف غالب کے خط سے ہوا۔ اس سے بھی زیادہ وضاحت سے ایک اور خط میں کنایۃً اس امر کو ظاہر کر دیا ہے کہ لطائف غیبی خود ان کی تصنیف ہے:

"تمھیں جو میں نے "سیف الحق" خطاب دیا ہے" اپنی فوج کا سپہ
سالار مقرر کیا ہے۔ تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے بازو ہو۔ میرے خلق کی
تلوار تمھارے ہاتھ سے چلتی رہے گی۔ "لطائف غیبی" نے اعدا کی دھجیاں
اڑا دیں۔" (خطوط غالب۔ صفحہ ۷۲۵)

اس بیان کے بعد لطائف غیبی کے غالب کی تصنیف ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں اگر سیر سیاح اور لطائف غیبی کی طرز کا موازنہ و مقابلہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے کہ لطائف غیبی سیاح کے زور قلم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ قلم غالب ہے۔

سیاح کی وضع قطع، رکھ رکھاؤ ایسا تھا کہ لوگ انھیں انگریزوں کا جاسوس خیال کرتے تھے۔ یہ خیال ان کے بہت جلد بے تکلف ہو جانے اور گھل مل جانے سے بھی ہوتا تھا۔ شعر بھی دلکش انداز میں پڑھتے تھے۔ بہت اچھے خوش نویس اور ایک ماہر مصور تھے۔ اسی کی بدولت ۱۸۷۸ء میں جعلی نوٹ بنانے کے الزام میں گرفتار ہوئے اور مقدمہ چلا چودہ سال کی قید کا حکم ہوا۔

واقعہ یوں ہوا کہ خطاطی اور مصوری کی مہارت نے تنگدستی دور کرنے کی راہ یہ نکالی کہ نوٹ بنانے شروع کر دیے۔ بمبئی سے حیدرآباد گئے۔ تو اسٹیشن پر سو کا نوٹ دے کر ٹکٹ خریدا۔ اتفاق دیکھئے کہ ان کے بعد دوسرے مسافر نے ٹکٹ خریدا اور سو ہی کا نوٹ دیا۔ بد قسمتی کہ اس نوٹ کا نمبر بھی وہی تھا جو سیاح کے نوٹ کا تھا۔ شبہ ہوا اور پہلا نوٹ جعلی نکلا اب ان کی تلاش ہوئی۔ آخر کار حیدرآباد سے گرفتار ہو کر آئے۔ مقدمہ چلا اور چودہ سال کی سزا ہوئی۔ جیل کا منتظم ایک پارسی تھا۔ اس سے رسم و راہ پیدا ہوئی۔ اس نے اپنے بچوں کی تعلیم پر مقرر کر دیا۔ ۱۸۸۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی کا دربار ہوا۔ تو اس نے سیاح سے قصیدہ لکھوا کر اور پر زور

سفارش کرکے حکام بالا کو بھیجا۔ سزا میں تخفیف ہوگئی اور یہ قبل از وقت رہا ہوگئے۔
سیاح نے سورت ہی کو اپنا مسکن بنالیا تھا، وہیں شادی کی۔ کئی بچے ہوتے مگر کوئی بھی زندہ نہ رہا۔ سورت کے ایک شریف خاندان کی لڑکی کو گود لے لیا تھا اس کی پرورش کی اور اچھی طرح شادی کی۔ سیاح نے بعمر ۸۵ سال ۷۰، ۱۹ میں انتقال کیا۔ سورت کے محلہ بڑے خان کا چکلہ میں خواجہ دلوا نہ کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔
ان کے کلام سے چند شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں تاکہ انداز شعر معلوم ہوجائے۔

وجہ بربادیٔ عشاق ہے آرائشِ حسن
اور الجھاتے ہیں خاطر کو الجھ کر گیسو
لیا بوسہ جو ابرو کا تو کیا کیا غیض میں آکر
کبھی دیکھی مری صورت کبھی تلوار کی صورت
دیا ہے جس نے غم سیاح راحت بھی وہی دیگا
ترقی ہوتی ہے دنیا میں کہتے ہیں تنزل سے
قفس میں سیر گلشن کی اگر مانگے دعا دل سے
صدائے خندۂ گل آئے فریاد عنا دل سے
کہو گر جان، تو سمجھے کہ ہم کو بے وفا سمجھا
سمجھ اس بدگماں کی سارے عالم سے نرالی ہے

شمس لکھنوی، سید آغا علی

مولانا حسرت موہانی نے شمس کی مثنوی 'طلعۃ الشمس' کے آغاز میں اختصاراً ان کے یہ حالات لکھے ہیں:

(۱۲۳۲ھ تا ۱۳۱۲ھ) سید آغا علی نام، شمس تخلص۔ اصل ان کی خراسان سے ہے۔ ابھی کمسن ہی تھے کہ والدین نے انتقال کیا۔ گیارہ سال کی عمر میں راجہ کندن لال اشکی نے اپنا پسر خواندہ قرار دیا۔ خوشنویسی کی مشق شمس نے انھیں سے کی تھی۔ انھیں کی وساطت سے نواب محمد علی شاہ، بادشاہ اودھ کی سرکار سے ان کو نگیں رقم، مشکیں رقم، اور خان بہادر کا خطاب عطا ہوا اور وقائع نگاری کی خدمت سپرد کی گئی۔ کچھ روز تک زمرۂ مصاحبین شاہی میں بھی شامل رہے۔ نواب فخر الدولہ زخمی بھی ان کی امیرانہ پرورش کرتے تھے۔ راجہ کندن لال کے بعد عرصے تک نواب محمد تقی خاں شاگرد مرزا سلیم کی سرکار سے توسل رہا۔ لیکن آخر حصۂ عمر ان کا انقلاب زمانہ کے ہاتھوں تنگدستی میں بسر ہوا۔ زُہرہ مشتری مشہور طوائفان لکھنؤ کو فارسی پڑھاتے تھے اور انہیں کے مکان پر رہا کرتے تھے۔ بی مشتری کے نکاح کر لینے اور خانہ نشین ہونے کے بعد کانپور چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔

ملک الشعراء اختر کے شاگرد تھے۔ تحقیق الفاظ وسعت زبان میں کمال حاصل تھا۔ کتب درسیہ عربی و فارسی کی تکمیل مولوی فضل حق خیرآبادی، مولوی وحید الدین بلگرامی، مولوی سبحان علی لکھنوی، مولوی سلامت اللہ کشفی، شاہ عبدالعزیز دہلوی، مرزا قتیل اور مفتی میر عباس سے کی تھی۔ دیوان اردو فارسی کے علاوہ ان کی ہندی

چیزوں کا بھی مجموعہ قابل دید ہے۔

غالب کے کلام پر کچھ اعتراضات لکھ کر اودھ اخبار کی اشاعت ۲۵ جون ۱۸۶۷ء میں چھپواتے تھے۔ اعتراضات کی نوعیت غیر وقیع ہے۔ باقر وسخن نے اس کا جواب لکھا ہے۔ ان کی شاگرد زہرہ و مشتری نے بھی کلام غالب پر اعتراضات کئے تھے ممکن ہے کہ انہی کے مشورے اور ایما سے ایسا ہوا ہو۔ یا استاد کی دیکھا دیکھی ان دونوں کو بھی شوق ہوا ہو۔ ویسے یہ دونوں بھی قابل تھیں۔

آغا علی شمس، اگرچہ صاحب علم و شرف تھے لیکن ان طوائفوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے ہاں قیام نے انہیں کافی مطعون و بدنام کیا باقر وسخن نے بھی اس نسبت پر اپنے معنامین میں طعنہ دیا ہے۔ تذکرہ بہارستان ناز میں بھی ان پر اچھی خاصی چوٹ کی گئی ہے شمس کی رعایت سے "زہرہ و مشتری" پر پھبتیاں کسی گئی ہیں اور مذاق اڑایا گیا ہے۔ طوائف اس زمانے میں خواہ کتنی ہی مہذب خیال کی جاتی رہی ہو، لیکن معاشرے میں اس کا مرتبہ صرف یہ تھا کہ اس کو داشتہ بنا نا یا اس سے تعلقات قائم کرنے میں شان تھی۔ اس کا دست نگر ہونا یا اس کے گھر رہنا کسر شان۔ اسی لئے حضرت شمس نشانۂ ملامت بنے کہ وہ ان کے دست نگر تھے اور ان کے گھر رہتے تھے۔

قتیل، مرزا محمد حسن

مرزا محمد حسن کا پیدائشی نام دیوانی سنگھ تھا۔ آبا و اجداد بٹالہ ضلع گورداسپور میں رہتے تھے۔ غالباً ان کے دادا نقل مکانی کر کے باغپت ضلع میرٹھ میں آن بسے وہاں سے یہ خاندان دہلی منتقل ہوگیا۔ ۱۱۷۰ھ میں قتیل کی پیدائش دہلی کے محلہ فرید آباد میں ہوئی اُسی لئے غالب نے ان کو فرید آبادی لکھا ہے۔ ان کے والد کا نام درگا ہی مل تھا۔ یہ قوم کے بھنڈاری کھتری تھے بعض نے ان کو کائستھ غلطی سے لکھا ہے۔ غالب نے انہیں کھتری ہی لکھا ہے۔ ان کے زیادہ حالات دستیاب نہیں ہوتے البتہ اتنا معلوم ہے کہ مرزا محمد باقر اصفہانی شہید کی تعلیم و تربیت کے اثر سے فیض آباد میں اسلام قبول کیا اور شہید کی رعایت سے قتیل تخلص اختیار کیا نواب سعادت علی خاں کی سرکار سے بھی وابستہ رہے۔ شیعہ مسلک کے پابند تھے۔

مشرقی ہندوستان میں ان کی فارسی دانی کی دھوم تھی اور درجۂ استاد رکھتے تھے۔ ان کی تصانیف میں رقعات، چار شربت اور نہر الفصاحت کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اور بھی کتابیں ان کی تصنیف بتائی جاتی ہیں۔ سید انشاء اللہ خاں انشا سے بڑے گہرے مراسم تھے۔ ان کی کتاب دریائے لطافت میں ان کا بھی حصہ ہے۔ مشہور ہے کہ بہرۂ عروض ان کا لکھا ہوا ہے اور گل چین وزن شعر کے لئے ان کے دماغ کی اختراع ہے۔ مصحفی سے بھی ان کے گہرے تعلقات تھے اور مصحفی نے تذکرہ "عقد ثریا" انہی کی فرمائش پر لکھا تھا۔

غالب جب کلکتہ پہنچے اور صاحبان کلکتہ نے غالب کے کلام پر اعتراضات

کئے غالب اور غالب کے احباب نے اہل زبان کے کلام سے اسناد پیش کیں۔ مخالفین نے اپنی تائید میں کہا کہ یہ قتیل کا اجتہاد ہے۔ غالب نے جواب دیا تھا کہ میں فرید آباد کے کھتری بچے کے قول کو نہیں مانتا۔ اس پر بحث نے طول پکڑا۔ احباب نے صلح کی کوشش کی، غالب کی صلح بھی 'باد مخالف' کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اس میں لکھا ہے:

ہر کہ کردہ این موافقت را   کہ سنا سد قتیل و واقف را

برہان قاطع کی بحث میں بھی قتیل کا ذکر آتا رہا ہے۔ غالب کے متعدد خطوط میں قتیل کا ذکر ہے مگر ہر جگہ غالب نے ان کو غیر مستند ہی لکھا ہے اور سچ یہ ہے کہ غالب اس ملے میں حق پر تھے۔ قتیل فارسی جانتا تھا مگر متعدد یات، اس کو مستند جاننا یا ماننا کسی طرح بھی درست نہیں۔ باقر علی باقر نے اپنے مضمون میں اس کے کلام پر نہایت وسیع اعتراضات کئے ہیں۔ یہاں ان کی ایک غزل کے چار شعر پیش کئے جاتے ہیں جو بہت مشہور ہیں۔ اور نظیری کے تتبع میں لکھے ہیں۔ اس میں دیکھئے کہ زبان و مضمون کے لحاظ سے نری ہندی ہے۔ نہ زبان کی چاشنی ہے نہ خیال و بیان کی خوبی۔ اس پر تبصرہ طول عمل ہوگا۔

مارا بغمزہ کشت و قضا را بہانہ ساخت

خود سوئے ما ندید و حیا را بہانہ ساخت

دستے بدوش غیر نہاد از رہ کرم

مارا چو دید لغزش پا را بہانہ ساخت

آمد برون خانہ چو آواز ما شنید

بخشیدن نوالہ گدا را بہانہ ساخت

خون قتیل بے سر و پا را بہ پائے خویش

مالید آں نگار و حنا را بہانہ ساخت

ان چاروں شعروں میں سے ایک شعر بھی معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اور ہر ایک میں خامی موجود ہے۔ پس اگر غالب ان کی شاعری کے منکر تھے اور ان کی زبان اور اجتہاد زبان کو غیر مستند خیال کرتے تھے تو کیا بے جا تھا؟

قتیلؔ نے مشرقی ہندوستان کے متعدد شہروں کی سیر کی اور ہر جگہ اپنے شاگرد پیدا کئے۔ لکھنؤ میں عمر کا بیشتر حصہ گزارا۔ ۱۲۳۳ھ میں لکھنؤ ہی میں انتقال کیا۔ نساخ نے تاریخ وفات لکھی ہے۔

سال ترحیل قتیل اے نساخ
گفتہ ام "شہرۂ آفاق قتیل"
۱۲۳۳ھ

مشتری، قمرن جان عرف منجھو

بی مشتری کا ذکر، آغا علی شمس کے تذکرے میں ضمناً آچکا ہے۔ یہ صورت شکل اور ہنرمندی دلیا قت میں زہرہ سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ پنڈت کشن لال طالب دہلوی نے اس کے متعلق کئی قطعے لکھے ہیں۔ ایک شعر خوب ہے:

شعاع شمس، زہرہ، مشتری ہے
بڑی تو خیر ہے چھوٹی کھری ہے

"بہارستان ناز" مؤلفہ رنج میرٹھی میں مشتری کا ذکر تفصیل سے درج ہے وہیں سے نقل کیا جاتا ہے:

"مشتری تخلص، موسوم بہ قمرن جان، معروف بہ منجھو لکھنؤ کی رہنے والی شاعری میں خیال بے مثالی۔ طبیعت نہایت تیز، فکر رسا ہے، میاں شمس کی تعلیم یافتہ ہے۔ ما شا اللہ جیسے استاد کی مشہور طبیعت ہے، ویسی ہی زہرہ و مشتری کو شہرت ہے۔ اور کیوں نہو، جب تعلیم میں استاد صاحب اس قدر خیال سے بتا ئیں تو شاگرد کیونکر نہ گھر گھر شہرت پائیں۔ واقعی یہ کہ حضرت شمس نے ان دونوں پر کالہ آتش کو ایسا چمکایا ہے کہ فلک پر زہرہ و مشتری کا رنگ اڑا یا ہے۔ اگر چندے اسی طرح تعلیم کو پائیں گی تو بی مشتری اپنے تئیں فلک پر پہنچا ئیں گی۔ سات برس کی عمر سے اس شاعرہ کو شوق نوشت وخواند ہے۔ یہ ستارہ، جلوہ ریزی حضرت شمس سے بڑھتے بڑھتے اب چودھویں رات کا پورا چاند ہے۔ خیر سے سامان ظاہری سے درست اور اللہ کی دی ہوئی کچھ جائیداد ہے مسجد، امام باڑہ، باغ، مکان قدیم الایام، بمقام خیر آباد

ہے۔ اُردو فارسی نظم ونثر اور تاریخ گوئی ان کی سوا مشق خط خفی دجلی سب میں طاق ہے مگر پندار میں بھی شہرہ آفاق ہے۔ غرض ایسے استاد شفیق کے سبب سے حسن شعر گوئی کا کوئی دقیقہ نہیں باقی ہے۔ وہ کون بزم مشاعرہ ہے، جہاں شمس و زہرہ ومشتری کی نہیں مشتاق ہے۔ یہ شاعرہ ہر فن میں کامل کیوں نہ ہو اس کا استاد بھی تو صاحب کمال ہے، دیکھئے مشتری عطارد رقم کا ۲۲ برس کی عمر میں ایسا ہے جانا۔ استاد کی صاحب کمالی پر دال ہے سبحان اللہ کیا ذہن آسمان پیوند ہے، کوئی جھوٹ سمجھے یا سچ، ایک کے دل کی دوسرے کو کیا خبر، مگر ہیں تو جی سے اس کا کلام پسند ہے۔" (ص ۸۴ - ۸۳)

خان بہادر رضا علی وحشت مرحوم نے ان کے حالات وخطوط ماہنامہ "نجات" ڈھاکا میں شائع کئے تھے وہیں سے خواجہ احمد فاروقی نے رسالہ آجکل دہلی میں نقل کئے ہیں آجکل خطوط نمبر بابت اپریل ۱۹۶۴ء سے یہاں نقل کئے جاتے ہیں کیونکہ اس میں بعض نئی باتیں بیان کی ہیں:

"مشتری، سیتاپور ضلع، خیرآباد کی ایک مشہور رقاصہ تھی۔ مگر ہمیشہ لکھنؤ میں رہی۔ نام قمرن جان تھا۔ حرف بی نجیو۔ علم موسیقی میں گھسیٹ خاں اور حید علی قوال کی شاگرد تھی مشتری کا ایک دیوان فارسی موسوم بہ "خانہ خیال"[1] طبع ہو گیا ہے یہ شعر بہت جلد کہتی تھی۔ جب مہاراجہ مہندر سنگھ والئی پٹیالہ لکھنؤ میں آئے مشتری نے سر محفل چند اشعار مدح میں نظم کئے اور اجازت دے کر ان کو پڑھا مہاراجہ بہت محظوظ ہوئے اور ایک ہزار روپے انعام میں مرحمت کئے۔ آخر میں تائب ہو کر ناچنا گانا چھوڑ

---

[1] درحقیقت "خانہ خیال" فارسی نثر کا مجموعہ ہے۔ دیوان کا نام "مرآۃ خیال" ہے۔ دونوں نام تاریخی ہیں جن سے ۱۲۰۷ھ برآمد ہوتا ہے۔

دیا تھا۔ اور سید اعجاز حسین اعجاز سے عقد شرعی کر لیا تھا۔ مرنے کے بعد تمام جائداد کے مالک ہوتے۔ جہاں حسن و جمال نے اس کے کمالات کو چار چاند لگا دیئے تھے صفات حمیدہ نے عزیزِ خلق کر دیا تھا۔ فنِ شعر سے جیسا اس کو انس تھا ویسی ہی وہ اہلِ فن کی قدر دان تھی۔ اطرافِ ہند کے مشاہیر سے روشناس تھی۔ لکھنؤ ہی میں ناسخ سے اس کا تعارف ہوا اور دونوں کا تعلق بہ درجۂ عشق پہنچ گیا۔ عبدالغفور نساخ نے سخن شعرا میں لکھا ہے (ص ۴۷۹) مشتری تخلص، قمرن جان عرف منجھو طوائف۔ ساکنہ لکھنؤ۔ شاگرد آغا علی شمس۔ خوش طبع و خوش نویس و خوش گو ہے۔ راقم الحروف سے اس شوخی مجسم سے لکھنؤ میں ملاقات ہوئی تھی۔"

مشتری کی ولادت کا سن کہیں نہیں ملتا۔ بہارستان ناز ۱۲۸۱ھ میں چھپی تھی۔ اس میں اس کی عمر ۲۳ سال لکھی ہے اگر ۱۲۸۱ھ میں اس کی عمر یہی خیال کر لیں تو سن ولادت ۱۲۵۸ھ قرار پاتا ہے۔ مشاہیر نسواں میں اس کا سن وفات ۱۳۱۵ھ دیا ہے۔ (ص ۵۱۹ مطبوعہ لاہور ۱۹۰۲ء)

میرے پاس آگرہ کا چھپا ہوا ایک کتابچہ سولہ صفحات کا ہے۔ جس کے سرورق پر کلام داغ عرف وصل صنم" نام لکھا ہے اس میں داغ کی ۲۳ غزلیں ہیں اور تین غزلیں بلا تصریح و تخلص ہیں۔ تین غزلیں امیر کی ہیں اور دو مشتری کی۔ اس سے اس کے کلام کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ دونوں غزلیں یہاں نقل کی جاتی ہیں:

مے ہے، گلزار ہے، ساقی ہے، گھٹا چھائی ہے
کہہ دو توبہ شکنوں سے کہ بہار آئی ہے
کیا بلا عشق ہے جیتا ہوں تو بدنام ہوں میں
جان دیتا ہوں تو اس شوخ کی رسوائی ہے

چھپکے وہ رشک پری غیر کے گھر جاتا ہے
اڑتی اڑتی ہوئی ہم نے بھی خبر پائی ہے
کیا جنوں خیز ہے اس کے گل عارض کی بہار
کہ جسے دیکھئے خود رفتہ ہے سودائی ہے
لب جاں بخش کا بوسہ جو کیا میں نے طلب!
کہا اس شوخ نے کیا تیری قضا آئی ہے؟
دل کو پہلو میں جگہ اس لئے دی ہے میں نے
کہ یہ فرقت میں انیس شب تنہائی ہے
شب فرقت کے جواب مشتری جاگے تھے ہم
کہ تہ خنجر قاتل ہمیں نیند آئی ہے

پھری چشم بت بے پیر دیکھو
ہماری گردش تقدیر دیکھو
اشارہ کر رہے ہیں ہم سے گیسو
پڑے گی پاؤں میں زنجیر دیکھو
تمہیں ہے طوق، منت کا گرانبار
ہمارے پاؤں کی زنجیر دیکھو
نہیں یہ گرد دامن سرخ سنجاف
لہو ہے میرا دامنگیر دیکھو
زبان شمع کے لیتا ہے بوسے!
پھری ہے قسمت گل گیر دیکھو
کہا اس شوخ نے چمکاکے ابرو
یہ جوہر دار ہے شمشیر دیکھو
سر آنکھوں سے چلوائے مشتری جلد
بہار روضۂ شبیر دیکھو

ناطق مکرانی، گل محمد خاں

گل محمد خاں ناطق مکرانی، مکران کے مایہ ناز فرزندوں میں سے تھے۔ افسوس کہ ان کے حالات زندگی کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اور اگر غالب کے ساتھ ان کے مراسم نہ ہوتے تو شاید آج ان کا نام بھی باقی نہ رہتا۔ مضامین میں ان کا ذکر غالب کے سلسلے میں آجاتا ہے۔ مکران میں یہ کس شہر اور کس بستی سے متعلق تھے کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی نے اس کی نشاندہی کی ہے۔

ہندوستان میں اہل علم و فن کی قدر دانی کا بڑا شہرہ تھا۔ غالباً اسی بنا پر یہ مکران سے دشوار گزار راستہ طے کر کے دہلی آئے۔ مگر یہاں سلطنت روبزوال تھی۔ دہلی کے اہل علم و فن خود لکھنؤ کا رخ کرتے تھے۔ دہلی میں ان کا کوئی سلسلہ قائم نہ ہوا روزگار کی کوئی سبیل پیدا نہ ہوئی تو یہ لکھنؤ روانہ ہوئے۔ غالب سے ان کے تعلقات یہیں قائم ہوتے لکھنؤ وغیرہ سے مراسلت رہی۔

لکھنؤ پہونچے، مگر یہاں بھی ان کی قدر و منزلت نہ ہوئی۔ اگرچہ انہوں نے شاہان اودھ کی شان میں قصائد بھی لکھے لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ نواب محمد علی شاہ اور واجد علی شاہ اودھ کی مدح کے علاوہ دیگر اراکین سلطنت و عمائدین حکومت کی مدح سرائی کی۔ مگر بے سود، لکھنؤ میں تنگدستی کی زندگی گزاری اس غریب الدیار شاعر کو پھر وطن جانا نصیب نہ ہوا۔ ۱۲۷۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ "ناطق مکرانی گل محمد خاں" سے تاریخ وفات ۱۲۷۴ھ برآمد ہوتی ہے تین سال بعد ان کے شاگرد رشید منشی جواہر سنگھ جوہر نے ان کا کلام جو کچھ دستیاب ہوسکا

جمع کر کے تاریخی نام "جوہرِ معظم" رکھا اور مطبع نولکشور میں چھپوایا لیکن افسوس کہ حالات زندگی تحریر کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔

غالب کے ساتھ ان کے مراسم کا علم، غالب ہی کے ایک خط سے ہوتا ہے۔ یہ خط کلیات نثر غالب میں صفحہ ۲۴۴ پر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناطق جب غالب سے ملے ہیں تو غالب آسودہ زندگی گزار رہے تھے۔ اور اب حالت دگرگوں ہے۔ ناطق سے خط نہ لکھنے کی بھی شکایت کی ہے اور اس خط کے پہنچنے پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ ناطق نے اپنے خط میں غالب کی مثنوی "درد وداغ" کے ایک شعر کے متعلق استفسار کیا تھا۔ خط کے اس حصے کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

"مجموع گفتار مرا از قصیدہ و قطعہ و غزل و مثنوی لکالبد انطباع ریختہ اند۔ ہرگاہ بہ انطباع بہ انجام می رسد، یک نسخہ بہر شامی فرستم تا ملیکہ بلاں تا قد لفد سخن رو دادہ است، حق است سخنت عبارت قدسی متاوعنہ نقل کنم سپس پاسخ بر طرازم۔ مخدوم می نویسد کہ: "در یک شعر مثنوی درد و داغ کاتب لفظے بصورت پنچ بقلم دادہ است آیا این چہ لفظا ست۔ اگر نفس الامر پنچ باشد، پس خوک سم دارد نہ پنچ۔ واگر اطلاق سم دپنچ بہ یک محل روا باشد و نزد شعرا جائز الاستعمال پس، علام باید فرمود۔ تا پی بحقیقت آں برده باشم۔"

غالب خوبیں نفس سرایدہ مزہ:

راست میگویم و یزداں نہ پسندد جز راست

حرف ناراست سرودن روش اہرمن است

بہ تیزی دم ذوالفقار و بفروغ گوہر حیدر کرار، سوگند کہ ایہات

پای خوک در نظرم نبوده است۔ اگرچہ نوع آفرینش را در ویرانہ حبابہ ہا بسیار دیدہ ام، اما شرف نگہی ابکار بردہ ام۔ گمان من آں بود کہ خوک ہمچوں سگ و گربہ پای دارد۔ اکنوں از روی نوشتۂ شما در نظر جلوہ کرد کہ خوک سم دارد و پنجہ ندارد۔ کاش نامۂ شما پیش ازاں کہ کلیات نقش انطباع پزیرد بمن رسیدی تا دریں مصرع:

خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد

«جائی پنجہ زدن» «بدنفسی» بنشستے۔ دانم کہ مرا ازیں واقعہ غبن نتواں بود۔ اگر سہو رفتہ است در غلط، درحقیقت پای خوک رفتہ است، نہ در ہنجار سخن۔ ناشناسا بودن سخنور از چگونگی پای خوک، مراد را زیانی ندارد۔“

غالب نے اپنی مثنوی میں ایک شعر یہ لکھا تھا۔

خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد　　　باسر و رو عربدہ آغاز کرد

ناطق مکرانی کے پاس جب یہ مثنوی پہنچی تو اس نے غالب کو خط لکھا کہ خوک کے پنجہ نہیں ہوتا بلکہ سم ہوتا ہے۔ غالب نے اس بات کو نہایت فراخدلی اور خوشی تمام قبول کیا اور لکھا کہ کلیات چھپنے سے پہلے اگر خط مل جاتا تو میں اسے بدل ڈالتا چنانچہ جب دوسری مرتبہ کلیات چھپی تو مصرع بدل ڈالا۔ "پنجہ زدن" کی جگہ "بدنفسی" بنادیا۔

یہ خط کلیات طبع اول (۱۸۶۳ء) کے زمانے کا ہے۔ اس سے ناطق و غالب کے گہرے مراسم پر روشنی پڑتی ہے۔ غالب نے قتیل وغیرہ کا جس طرح ذکر کیا ہے اس طرح ان کا ذکر نہیں کیا۔ ناطق کا کلام قتیل وغیرہ سے بہتر ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ نظم و نثر میں ناطق نے غالب کی پیروی کی ہے چند شعر ملاحظہ فرمایئے۔ جن میں غالب کا سا

انداز، اسی کے سے خیالات پائے جاتے ہیں:

گزشت موسم و رفتند ہمرہان و ہنوز
سفینۂ من مسکیں بہ ساحل افتاد است

کے میسر میشود مرغان باغ خلد را!
ایں فراغت ہا کہ در کنج قفس باشد مرا

شب وصل است امشب تا نہ انجامد بکوتاہی
بخورشید جہاں افروز راہ کاروان بستم

بشاخ گل نشیمن ساختن بر بلبل ارزانی
کہ من در چنگل شہباز خوں ریز آشیاں بستم

حواشی

(۱) یہ نظمیں اور نثریں قاطع برہان کے جواب اور جواب در جواب میں نہیں لکھی گئیں بلکہ قاطع برہان کی بحث میں آغا احمد علی نے حصہ لیا۔ مؤید برہان تالیف آغا احمد علی دیکھے بغیر صرف نفسِ مضمون معلوم ہو جانے پر غالب نے ایک فارسی قطعہ لکھا اس سے یہ بحث شروع ہو گئی۔ آغا احمد علی کے حالات شخصیات میں ملاحظہ کیجئے۔

(۲) غالب کے زمانے تک دساتیر کو زرتشتیوں کی الہامی کتاب تصور کیا جاتا تھا، لیکن بعد کے محققین نے اس کے جعلی ہونے کی تصدیق و توثیق کر دی ہے۔ مستشرقین بھی اس کے جعلی ہونے کے حق میں ہیں۔ صاحب فرہنگ نظام اور صاحب سبک شناسی نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ کیونکہ اردو میں یہ مباحث عام نہیں، اس لئے دساتیر کے متعلق تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔

دساتیر ایک آسمانی کتاب ہے۔ اس میں پندرہ رسلے ہیں۔ پہلا رسالہ مہآبادؑ سے اور آخری رسالہ ساسان پنجم سے منسوب ہے جو خسرو پرویز کے زمانے میں تھا۔ زردشت کا رسالہ تیرھواں رسالہ ہے۔ دساتیر جس زبان میں لکھی گئی ہے وہ زبان نہ اوستا کی ہے اور نہ پہلوی نہ کیانی اور نہ ایران کی مستند زبان۔ آخری رسالہ ساسان پنجم کا موجودہ فارسی میں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس میں عربی الفاظ کی جگہ فارسی الفاظ ہیں جملہ بندی وغیرہ آج کے مطابق ہے۔ سب سے پہلی مشتبہ بات یہ ہے کہ خسرو پرویز کے زمانے میں یہ فارسی نہ تھی پھر لفظ وسکہ

بھی اس کے جعلی ہونے کا بین ثبوت ہے کیونکہ دستور کی جمع فارسی قاعدے کے مطابق دستوراں یا ہوتی۔ اور دساتیر عربی قاعدے کے مطابق جمع ہے۔ گویا یہ تمام عربوں کے دخل ولفوذ کو ثابت کرتا ہے۔ خسرو پرویز کے زمانے میں یہ دخل ولفوذ ثابت نہیں۔

دساتیر کے ظہور کے متعلق یہ روایت مشہور ہے:

ملا کاؤس زردشتی، ہندوستان کے پارسیوں کی طرف سے شمسی سال کی تحقیق کے لئے ایران گیا اور اصفہان کے ایک کتب فروش آغا طاہر نے دساتیر کا نسخہ ایک گبری زبان کے رسالے کے نام سے فروخت کیا۔ ملا کاؤس اس کو ہندوستان لے آیا۔ ملا فیروز لپسر ملا کاؤس نے اس کے چھپوانے کا ارادہ کیا۔ ہندوستان میں انگریز فاضلوں سے اس سلسلے میں مدد چاہی۔ اور مسٹر ڈنکن اور مسٹر جان ملکم کو کتاب دکھائی۔ مسٹر ڈنکن نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ مگر مسٹر ملکم نے کہا کہ اصل نسخہ بھی چھاپا جائے تاکہ علما کی رائے ظاہر ہوسکے۔ مسٹر ڈنکن کا انتقال ہو گیا تو ملا فیروز نے انگریزی ترجمہ مکمل کیا۔ مقدمہ دحواشی دفرہنگ کے ساتھ اصل اور ترجمہ چھاپ دیا۔ اس نسخے کے ہاتھ آنے سے پہلے اس کتاب کا کہیں ذکر نہیں ملتا لیکن "شارستان چہار چمن" بہرام فرہاد زردشتی کی تالیف میں اور "دبستان المذاہب" اور "برہان قاطع" میں اس کا ذکر ہے۔ زیادہ تر خیال یہی ہے کہ دساتیر اکبر بادشاہ کے زمانے میں لکھی گئی۔ بہرام فرہاد زردشتی بھی اکبر و جہانگیر کے زمانے میں گزرا ہے۔ گویا کتاب کا سراغ اس سے آگے نہیں ملتا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ اکبر بادشاہ کو مختلف مذاہب کے علما اور فضلا بلا کر ان سے گفتگو کرنے اور ان کی آپس میں بحث کرانے کا شوق تھا۔ اس کے دربار میں تمام مذاہب کے علما جمع تھے۔ جن میں زردشتی بھی تھے۔ چنانچہ اردشیر زردشتی کا ذکر کتابوں میں موجود ہے اور چند پارسیوں کا کرمان سے آنا بھی ثابت ہوتا ہے۔ پس اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ پارسیوں کی مقدس کتابوں

میں اسلامی مباحث اسلام سے پہلے موجود تھے۔ اسلامی کتابوں سے مطالب اخذ کرکے "دساتیر" لکھدی اور اکبر کے بعد چونکہ روش بدل گئی تھی۔ اس لئے "دساتیر" کی طرف کسی نے خیال بھی نہیں کیا۔ انگریزوں کی آمد سے اور مشرقی علوم کی طرف ان کی توجہ سے "دساتیر" کا چرچا ہونے لگا۔ ملا کاؤس کو جو نسخہ ملا تھا۔ شاید وہ نادرشاہ کے کسی فوجی کے ہاتھ لگا تھا۔ جسے وہ اصفہان لے گیا اور فروخت کردیا۔ ایسی کتابیں اب تک ایران میں موجود ہیں جو ان لشکریوں کے ذریعہ وہاں تک پہنچی تھیں۔

دساتیر کے جعلی ہونے کی ایک بہت بڑی شہادت یہ ہے کہ اس کا نسخہ آج کے فارسی رسم الخط یعنی عربی حروف تہجی میں ملا ہے۔ اوستا، زند وغیرہ رسم الخط میں نہیں ہے۔ اگر یہ قدیم کتاب ہوتی تو قدیم کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا اور فارسی کے قدیم رسم المخطوط میں سے کسی میں ضرور لکھی ہوتی۔ مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر اس کتاب کو جعلی قرار دیا ہے۔

برہان قاطع کے لئے مقدمہ دیکھئے۔ وہاں تفصیل پیش کردی گئی ہے۔

(۳) سال اشاعت ۱۲۷۶ھ نہیں یہ سنہ تکمیل ہے۔ غالب نے خود قطعہ تاریخ لکھا ہے:

یافت چوں گوشمال زیں تحریر | آنکہ "برہان قاطعش" نام است
شد مسمیٰ بہ قاطع برہان | "درس الفاظ سال" اتمام است

۱۲۷۶

لیکن اشاعت دو سال بعد ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں ہوئی۔ مئی ۱۸۶۲ء میں طباعت ختم ہوگئی تھی اور ۱۶ مئی ۱۸۶۲ء تک ایک جلد بطریق نمونہ غالب کو مل چکی تھی۔ مجروح کو لکھتے ہیں۔

" قاطع برہان کا چھاپا تمام ہوا ایک جلد بطریق نمونہ آگئی۔ میں نے پچاس جلدوں کی درخواست پہلے سے دے رکھی ہے۔ اب پچاس روپے بھیجوں تو پچاس جلدیں منگواؤں۔ دیکھئے نومن تیل کب میسر ہو اور رادھا کب ناچے۔" (خطوط غالب ص۲۵۱)

لیکن قدر بلگرامی کو ۵ رمئی ۱۸۶۲ء کے خط میں یہ لکھا ہے:

" قاطع برہان کے اجزا کی جلدیں بندھ گئی ہیں یا نہیں؟ اگر بندھ گئی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہہ کر وہ پچاس جلدیں (جو) میں نے لی ہیں ان میں سے ایک جلد لے کر جناب فیض مآب، خداوند نعمت آیۂ رحمت، قبلہ وکعبۂ جناب مجتہد العصر کی خدمت میں حاضر ہوا ور میری طرف سے کورنش عرض کرو، اور کتاب نذر کرو، اور کہو کہ غلام نے بہت خون جگر کھا کر فارسی کی تحقیق کو اس پایہ پر پہنچایا ہے، کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں یہ مجال کہاں کہ داد کا طلب گار ہوں۔ صرف عز قبول کا امیدوار ہوں۔" (خطوط غالب ص۵۵۱)

اس سے ظاہر ہے کہ ۵ رمئی تک انہیں کوئی جلد نہیں ملی تھی ۲۴ رمئی کے خط میں ایک جلد مفتی میر عباس صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لکھا ہے اور پچاس میں سے تین جلدوں کا وصول ہونا تحریر کیا ہے۔ یعنی ایک غالب کو ملی جس کا ذکر مجروح کے خط میں ہے۔ یہ جلد انہیں پانچ سے سولہ مئی تک کسی تاریخ کو ملی ہوگی دوسری جلد مجتہد العصر کی خدمت میں اور تیسری مفتی میر عباس کی خدمت میں پیش کرائی۔ ان شواہد کی موجودگی میں ۱۲۷۸ھ غلط ہے۔ مالک رام نے ذکر غالب (ص۴۱) میں ۱۸۶۱ء سنہ طباعت غلط لکھا ہے۔

(۴) درفش کاویانی ص ۲۶۳ کی یہ عبارت ہے۔

(۵) "نیرونہ" چھپا ہے مگر درفش کاویانی میں "نیونیذ" ہے۔

(۶) قاطع قاطع۔ ساطع قاطع۔ موید البرہان۔ چھپا ہے مگر صحیح نام "قاطع القاطع، ساطع برہان، موید برہان ہیں۔

(۷) کتاب نظر سے نہیں گزری تھی۔ ایک دوست نے کیفیت لکھی تھی اس میں مندرج معلومات کی روشنی میں فارسی قطعہ لکھ کر چھپوایا اور مولوی صاحب کے پاس بھجوایا۔ جب کتاب پہنچی تو اس کے جواب میں تیغ تیز لکھی تفصیل دیباچے میں دیکھئے۔

(۸) قصیدہ چھپا ہے۔ حالانکہ قطعہ ہونا چاہیئے۔ عطا حسین کو مغالطہ ہوا یا سہواً لکھا گیا ہے۔

(۹) "مولد" چھپا ہے جو درست نہیں۔ غالب از مہر اور آثار غالب (۱۲ ص) میں "موطن" ہے اور یہی صحیح ہے۔ فدا نے بھی "موطن" نقل کیا ہے دیکھئے شعر ۳۲۔

(۱۰) تیغ تیز کا جواب آغا احمد علی نے "شمشیر تیز تر" دیا تھا اور قاطع برہان کی بحث کے سلسلے کی یہ آخری کتاب ہے۔ ان کے حالات حصہ تخصیات میں دیکھئے۔

(۱۱) ہنگامہ دل آشوب میں غالب کے جواب میں قطعہ کو آغا احمد علی ہی کا بتایا ہے۔ فدا ڈھاکے کے رہنے والے نہیں تھے بلکہ سلہٹ کے تھے۔

(۱۲) بحث کا سلسلہ ہنگامۂ دل آشوب حصہ دوم پر ختم نہیں ہوا بلکہ قاطع برہان کی بحث کا سلسلہ آغا احمد علی کی تصنیف "شمشیر تیز تر" پر ختم ہوا۔ البتہ قطعات کا سلسلہ ہنگامۂ دل آشوب حصہ دوم پر ہی ختم ہو گیا تھا مگر آغا احمد علی نے "شمشیر تیز تر" میں بھی قطعات پر مشتمل کتاب "تیغ تیز تر" پوری کی پوری شامل کرلی تھی۔ تیغ تیز تر میں پانچ قطعات شامل تھے۔ غالب کا قطعہ دو قطعات فدا کے، ایک ایک قطعہ

باقرِ سخن کا۔ باقرِ سخن کے لئے حصّہ شخصیات ملاحظہ فرمایئے۔

(۱۳) یہ شعر ہنگامۂ دلِ آشوب میں شامل نہیں ہے۔ مگر اسے مولانا مہر نے اپنی کتاب غالب (ص۴۴۶) میں نقل کیا ہے جو مطبوعہ قطعہ یا سبدِ چین سے لیا گیا ہے۔

(۱۴) غالب از مہر میں ان اشعار کی ترتیب یہی ہے جو میں نے مقرر کی ہے ہنگامۂ دلِ آشوب میں کردہ است از خوبی الخ ص۱۰ پر ہے اور میل او با ہر کسے الخ ص۱۱ پر ہے۔

(۱۵) ہنگامۂ دلِ آشوب میں "از" چھپا ہے۔ مگر غالب' آثارِ غالب میں "زاں" ہے۔ فدا کے قطعے میں بھی "از" ہی ہے۔ مگر بہتر "زاں" ہی ہے۔ اس لئے زاں بنا دیا ہے۔

(۱۶) ہنگامۂ دلِ آشوب میں "محل" چھپا ہے۔ غالب از مہر میں مَمَل (بہ زہر و میم) ہے اور یہی صحیح ہے۔

(۱۷) "بگذرد" کا املا غالب کے نزدیک بزائے ہوز ہے یعنی "بگزرد"۔

(۱۸) "خود" چھپا ہے مگر غالب از مہر اور یادگارِ غالب میں "خویش" ہے۔

(۱۹) "خونِ دلش" چھپا ہے مگر یادگارِ غالب میں "خوں در دلش" ہے۔

(۲۰) یہ مصرع غالب کے قطعہ کے شعر ۲۳ کا ہے اور اگلے شعر کا دوسرا مصرع غالب کے شعر ۲۵ کا ہے۔

(۲۱) "یامن یکے" چھپا ہے۔ "یا" سہوِ ناقل و کاتب نظر آتا ہے۔

(۲۲) بہار سے مراد بہارِ عجم تصنیف لالہ ٹیک چند بہار اور خود بہار ہے۔

(۲۳) یہ مصرع غالب کے قطعہ کے شعر ۲۲ کا ہے۔

(۲۴) "اوندی" چھپا ہے مگر صحیح "آوندی" ہے۔ "آوندی" صاحبِ برہانِ قاطع

ظرف شراب لکھا تھا۔ غالب نے اس کی تردید کی اور لکھا کہ کہیں "آوندی" دیکھا اس کو آوندی پڑھ لیا ہے۔ (درفش کاویانی ص۲۵)

(۲۵) "پند" چھپا ہے مگر صحیح "بند" ہے بمعنی بندش، بندھن وغیرہ۔

(۲۶) یہ مصرع غالب کے شعر۱۷ کا مصرع ثانی ہے۔ "از" چھپا ہے۔ "زاں" چاہیے[1] رک ح ۱۵

(۲۷) غالب کے شعر۱۷ کے مصرع ثانی سے یہ شعر مرتب کر لیا ہے یہ اظہار عجز کی نشانی ہے۔

(۲۸) غالب کے شعر۳ کا مصرع ہے۔

(۲۹) "ناظران باخرد" چھپا ہے۔ ناظر کی جمع ناظرین مستعمل ہے۔ ناظران بقاعدہ فارسی جمع تو بن سکتی ہے مگر احتراز بہتر تھا۔

(۳۰) "کہ" یہاں کھینچکر پڑھا جاتا ہے جو اس مقام پر جائز نہیں باقر و سخن نے اس پر اعتراض کیا ہے۔

(۳۱) غالب کے شعر۵ میں جزوی تبدیلی کر لی ہے۔ یہ بھی اظہار عجز کی دلیل ہے۔

(۳۲) غالب کے شعر۱۵ کا مصرع ثانی۔

(۳۳) غالب کے شعر۲۱ کا مصرع اولی۔

(۳۴) غالب کا شعر۲۸۔

(۳۵) "مرا" چھپا ہے "یا" "ہونا" چاہیے۔ فدا کے دوسرے قطعے میں (شعر۱۸) "یا" ہی ہے۔

(۳۶) "جاجا" غیر فصیح ہے۔ جابجا ہونا چاہیے تھا مگر شعر میں یہ نظم نہ ہو سکا۔

---

[1] رک = رجوع کیجیے۔ ح = حاشیہ یعنی توضیح

پرانیٹر نے اپنے قصیدے میں گرفت کی ہے کہ شعر ۱۸۱۵ اگر مُہرجا یا بُرجا نظم کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔

(۳۷) گر چھپا ہے۔ مگر گو زیادہ بہتر ہے۔

(۳۸) ہر کی جگہ بر چاہیئے۔

(۳۹) می کنند چھپا ہے مگر محل می کنم کا ہے۔

(۴۲) شعر ۲۸ قطعۂ فذا کا مصرع ثانی۔

(۴۳) مصرع کا عین تقطیع میں گر جاتا ہے یہ جائز نہیں۔

(۴۴) شعر ۳ قطعۂ فذا کا مصرع ثانی۔

(۴۵) لغز کی جگہ لغز چاہیئے۔ اور اگر لغز ہی تصور کیا جائے تو پھر حشو کے بعد واو عطف کی جگہ کسرۂ اضافی ہونا چاہیئے۔ مگر لغز ہی کا محل ہے۔

(۴۶) شعر ۹ قطعۂ فذا۔

(۴۷) شعر ۲۳ قطعۂ فذا۔

(۴۸) بوالعجب ما مانده ام چھپا ہے۔ یہ غلط ہے اس پر فذا نے گرفت کی ہے باقر و فذا نے جواب دیا ہے۔ بحث آئندہ کی جائے گی۔

(۴۹) شید چھپا تھا باشید چاہیئے۔

(۵۰) عیسوی تاریخ ۱۱ اپریل ۱۸۶۵ء ہے۔

(۵۱) اس عبارت میں طباطبائی باقر کی فارسی نثر کا ذکر نہیں کیا گیا جو اس حصے میں شامل ہے۔

(۵۲) ہنگامۂ دل آشوب میں اس کا عنوان قطعہ لکھا ہے لیکن اصطلاحاً اسے قصیدۂ بیانیہ کہنا چاہیئے۔

(۵۳) مرزا گل محمد خان ناطق مکرانی کے حالات حصۂ شخصیات میں ملاحظہ فرمایئے۔

(۵۴) شیعہ وسنی کی بحث بھی درمیان میں آئی تھی۔ یہ بحث غالباً شمس لکھنوی

نے کی تھی اس کی طرف سخن کے مضمون میں بھی اشارہ ہے۔

(۵۵) 'زادو بوم' = زاد بوم۔

(۵۶) پارسی بہ لہجۂ اردو' کو جوہر نے بطور تعریف لکھا ہے۔ غالب نے اس کو عیب بتایا ہے وہ پارسی بلعزایران کے معتقد تھے۔ بات ساری یہی ہے کہ غالب جسے عیب کہتے ہیں۔ یہ اس کو حسن سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو دیباچہ بحث زبان دان واہلِ زبان۔

(۵۷) 'بے جا' چھپا ہے۔ یہاں زیادہ مناسب 'بیجا' ہے۔ احمد درّانی کی مناسبت سے 'بیجا' ہی لکھا ہوگا۔ سہو کاتب سے بے جا بن گیا۔ باقر و سخن نے بھی اپنے قطعات میں اسے نقل کیا ہے اور 'بیجا' لکھا ہے۔

(۵۸) غالب کے قطعے کے شعر ۱۷ کا مصرع ثانی۔ غالب نے 'پیشوا' لکھا ہے۔ 'مقتدا' نہیں جو یہاں چھپا ہے۔ جوہر نے مقتدا ہی لکھا ہوگا۔

(۵۹) یہ سب اہلِ ہند میں مستند مانے جاتے ہیں۔ فارسی زبان میں ان کی اہم تصنیفات موجود ہیں۔

(۶۰) 'علاے' چھپا ہے 'عالے' چاہیئے۔

(۶۱) فدا کے قطعہ کے شعر ۲۸ کا مصرع ثانی۔ (رک حاشیہ ۳۸)

(۶۲) باقر کے قطعے کے شعر ۳۳ کا مصرع ثانی۔ جوہر نے یہاں بات کو سمجھے بغیر اعتراض کردیا ہے۔ فدا کے مصرع میں 'کہ' درمیان میں آیا تھا جہاں اشباع جائز نہیں۔ باقر کے یہاں ابتدا میں ہے ابتدا میں اشباع جائز ہے۔

(۶۳) 'خود' چھپا ہے سہو ناقل دکاتب ہے 'خورد' ہونا چاہیئے۔ فدا کے شعر ۲۱ میں 'سروا' ہے اور باقر کے شعر ۲۳ میں لفظ مصرع کا میں وزن سے گر گیا ہے۔

(۶۵) ناطق سے مراد ناطق مکرانی، استاد جوہر ہے۔ رک حصہ شخصیات۔

(۶۶) اُستادش (لینیر دا تر) چھپا تھا جو درست نہیں۔

(۶۷) یہ شعر شیخ سعدی کا ہے جس کا اشارہ پہلے شعر میں کیا ہے۔

(۶۸) "اُز غلط" سہو کاتب و ناقل ہے "ا رغلط" چاہیئے۔

(۶۹) "من" ہونا چاہیئے "نے" غلط چھپا ہے۔

(۷۰) "ہز" سہواً رہ گیا تھا۔

(۷۱) یہ جوہر کے قصیدے کا مصرع اولیٰ ہے "امروزے" میں "ے" زیادہ ہے جس کا یہاں کوئی جواز نہیں۔

(۷۲) جوہر کے شعر ۲ کا مصرع اولیٰ ہے۔ اس میں "باخود" بے محل ہے۔

(۷۳) جوہر کے شعر ۱۲ کا مصرع اولیٰ ہے۔

(۷۴) جوہر کے شعر ۱۱ کا مصرع ثانی ہے۔

(۷۵) جوہر کے شعر ۱۸ کا مصرع اولیٰ ہے۔

(۷۶) جوہر کے شعر ۱۸ کا مصرع ثانی ہے۔

(۷۷) جوہر کے شعر ۲۰ کا مصرع اولیٰ ہے۔

(۷۹) رک ۶۳ - فدا کے مصرع میں "کہ" درمیان میں تھا۔ رک ۱۱۶ اور باقر کے مصرع میں ابتدا میں ہے۔

(۸۰) باقر کے شعر ۲۳ قطعہ ۱۰ میں مصرع کا عین تقطیع میں گرتا ہے اس پر اعتراض کیا تھا رک ح ۱۳۔

(۸۱) صفیر سے مراد، سید فرزند احمد بلگرامی ہیں۔ اس سے مترشح ہے کہ جوہر کے قصیدے کا جواب صفیر بلگرامی شاگرد غالب نے بھی لکھا تھا۔ مگر وہ ہنگامۂ دل آشوب میں شامل نہیں ہے۔ اس شعر کے مصرع اول میں "معجز نگار سحر پرداز" کے درمیان واؤ چاہیئے یعنی "خامۂ معجز نگار و سحر پرداز"

(۸۴) "پیر بخارا" لکھنؤ کا ایک محلہ۔

(۸۵) غالب کے شعر ۲۲ کا مصرع ثانی۔

(۸۶) باقر نے شعر ۲۵ میں یہ اعتراض فدا کے شعر ۳۰ کے مصرع "نامیان ہند را دشنام بے جا کردہ است" پر کیا تھا۔ باقر کا شعر یہ ہے:

کردن دشنام کے باشد روا نزد فصیح

بے خبر از کوچۂ دانش چہ آیا کردہ است

فدا نے خواجہ حسن کا "دشنام کردن" نظم کرنا بتایا ہے لیکن مثال نہیں دی۔

(۸۷) "واکردن" بمعنی "باز کردن" درست ہے لیکن یہاں بحث "سر واکردن" سے ہے۔ اور پھر محل استعمال بھی دیکھنا چاہیے۔ باقر وغیرہ کا اعتراض درست ہے قابل غور یہ امر ہے کہ مطلع کے لئے "سر واکردن" استعمال کرنا چاہیئے یا نہیں؟ فدا نے صائب کے ہاں جبہہ و پیشانی کے لئے "واکردن" کا استعمال بتایا ہے مگر مثال نہیں لکھی جس سے محل استعمال معلوم ہوتا۔ یہ حقیقت ہے کہ فدا کے ہاں استعمال بے محل ہے۔ فدا کے قطعہ کے شعر ۲۴ کے مصرع ثانی میں یہ استعمال ہوا ہے۔ باقر نے اپنے قطعے کے شعر ۱۹ تا ۲۱ میں اعتراض کیا ہے۔ یہ مصرع خارج از وزن ہے، ایک سبب زاید ہے۔ باقر نے اس پر اعتراض کیا ہے

(۸۹) باقر کے قطعے کا شعر ۲ ہے۔

(۹۰) باقر کے قطعے کے اشعار ۱۰ و ۱۱۔ (رک ح ۱۱۲، ۱۱۳)

(۹۱) باقر کے قطعہ اول کے شعر ۹ پر اعتراض ہے کہ لفظ حیثیت بجائے علم استعمال کیا ہے اس کی سند اہل زبان کے کلام سے چاہی ہے۔ (رک ح ۱۱۲)

(۹۲) "رشتیندہ" چھپا ہے۔ صحیح رشتیند ہے۔ باقر نے رشتیند ہی لکھا ہے رک شعر ۱۱ قطعہ باقر۔ لیکن جواب میں باقر نے اس کے آخر میں ہا کو زاید در سہو کاتب بتایا ہے

گویا ابتدائی طباعت میں یہ غلطی تھی جس پر فدا نے گرفت کی ہے۔ فدا کے اس سے پہلے شعر میں "تماشا" کا استعمال غلط ہے۔ باقر نے اس پر اعتراض کیا ہے۔

(۹۳) شعر ۲۳ قطعہ باقر۔ (رک ح ۸۰)

(۹۴) "خورد گیری" چھپا ہے "خوردہ گیری" چاہیئے۔

(۹۵) شعر ۲۷ ر ۲۷ قطعہ باقر۔ چوکہ کے استعمال پر بے جا اعتراض ہے۔ شعر اول میں حشو "لغز" چھپا ہے۔ مگر لغز کی جگہ لغز چاہیئے۔ رک حاشیہ ۴۵

(۹۶) شعر ۲۸ قطعہ باقر۔ فدا کا اعتراض نا درست ہے۔ تعقید کی زد میں لا آسکتا ہے لیکن یہ لف و نشر مرتب ہے۔ اس کی نثر اس طرح ہوگی۔ بر سخنداں جہاں ہیچ روز روشن است و نیک روشن گشتہ است ہر کس تماشا کردہ است۔ فدا کا اعتراض یہ ہے کہ سخنداں کی جگہ سخنداناں ہونا چاہیئے لیکن باقر نے اس کا جواب آئندہ قطعے میں دیا ہے۔ رک شعر ۴۳ ر ۴۲ قطعہ باقر۔ رک ح ۱۱

(۹۷) "خاتم" چھپا تھا، مگر محل "خواتم" کا ہے۔

(۹۸) سخن کے قطعۂ اول بجواب فدا ہنگامۂ دل آشوب حصۂ اول کے عنوان میں "تعالی اللہ شانہ" چھپا ہے۔ فدا نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ سخن نے اس کا جواب اپنے قطعے کے شعر ۶ میں دیا ہے کہ کاتب نے اعلیٰ اللہ کی جگہ تعالیٰ اللہ لکھ دیا ہے۔

(۱۰۰) اوستاد چھپا تھا۔ استاد چاہیئے۔ غالباً ایسے تمام مواقع پر واؤ برائے ضمہ استعمال کیا ہے۔ اشباع ضمہ کی وجہ سے نہیں ہے۔ اس لئے ہر جگہ موجودہ املا کے مطابق کر دیا گیا ہے۔

(۱۰۱) سخن کے قطعے کا شعر ۱۱ ہے جس پر فدا نے اعتراض کیا ہے۔ اعتراض نامناسب ہے کیونکہ فدا نے آئندہ دو شعروں میں اعتراض ۱۱ "رسد" کا فاعل کون ہے؟ کیا ہے

حالانکہ "ش" ضمیر کا دار سد کا فاعل ہے۔ اعتراض ۲ یہ ہے کہ دونوں مصرعوں میں ربط نہیں یہ بھی غلط ہے۔ سخن نے اس کا جواب آئندہ قطعے کے شعر ۸ تا ۱۲ میں دیاہے اور باقرنے آئندہ قطعے کے شعر ۲۵ تا ۴۶ میں دیا ہے۔

(۱۰۲) سخن کے قطعہ ۱ کے شعر ۲۹ سے متعلق یہ اعتراض ہے (رک حاشیہ ۴۸) فرمانے "در عجب ماندہ ام یا بوالعجب ماندم" اصلاح کی ہے جو نہایت قبیح ہے: "ما" کے ساتھ "ماندہ ام" کس طرح آسکتا ہے؟ "ما" ضمیر جمع متکلم ہے اس کے ساتھ صیغہ "ماندہ ایم" آنا چاہیئے۔ ماندن کوئی مصدر نہیں شاید ماندن میں تخفیف کا عمل جاری کیا ہے۔ اس کی جگہ اگر اصلاح اس طرح کی جاتی تو بہتر تھا۔ "در تعجب ماندہ ام" سخن نے اس کا جواب قطعۂ آئندہ کے شعر ۱۵ میں دیاہے اور "بوالعجب ما ماندہ ام" میں "ما" کی جگہ "ہا" تصرف کاتب بتایا ہے۔ لیکن اس میں بھی وہی قباحت ہے کہ ضمیر اور صیغہ میں مطابقت نہیں رہتی "ما" کی جگہ من ہونا چاہیئے۔

(۱۰۳) سخن کے قطعۂ اول کے شعر ۲۶ پر یہ اعتراض ہے کہ "حاشا للہ" میں حاشا کا الف تقطیع میں گرجاتا ہے "حاش للہ" پڑھا جاتا ہے تو لکھا بھی جائے بغیر الف کے اس کا جواب سخن نے آئندہ قطعے میں کچھ نہیں دیا۔ واقعی یہ اعتراض نہایت ہی لوچ ہے سقوط الف جائز ہے۔ شعر میں دونوں جگہ "با الف" چھپا ہے حالانکہ دوسری جگہ پر "بے الف" ہونا چاہیئے تھا۔

(۱۰۴) سخن کے قطعہ اول کے شعر ۲۲ پر یہ اعتراض ہے کہ مصرع اوّل میں "بشنو، بفرما" صیغہ واحد حاضر ہے لیکن مصرع ثانی میں فعل "کردہ است" واحد غائب ہے، یہ اصولاً درست نہیں ہے۔ سخن نے اس کا جواب قطعہ آئندہ کے شعر ۱۶ میں دیا ہے کہ "بشنو و فرما" فدا کے لئے ہے۔ اور "گردہ است" آغا احمد علی کے لئے ہے۔ سخن کا جواب درست ہے کیونکہ قطعہ اول میں موجز کتاب سے مراد "قاطع برہان" ہے اس کے

متعلق سخن نے کہا تھا کہ مجھ سے گفتگو کرا ور اس کا جواب سن آغا احمد علی نے غالب کے جواب میں کیا لکھا ہے آئندہ اشعار (۲۵ تا ۳۴) میں بھی اسی کے متعلق باتیں ہیں۔ باقر نے بھی اپنے قطعے میں اس کا جواب دیا ہے۔ (رک ح ۱۲۵)

(۱۰۵) غالب کے قطعہ اول کا شعر ۲۸ ہے۔ (رک حاشیہ ۱۸)

(۱۰۶) فدا کے قطعہ اول کے شعر ۴۳، ۴۴ ہیں۔

(۱۰۷) سخن کے قطعہ اول کے شعر ۱۸ تا شعر ۲۳ دیکھیے۔

(۱۰۸) سخن نے اپنے قطعے کے شعر ۲۲ میں "پاسخ دندان شکن" لکھا ہے۔

(۱۰۹) کنیاً چھپا ہے لیکن میرے خیال میں "کھیا" ہونا چاہیئے کرنے کی مناسبت کھیا ہی سے ہے۔

(۱۱۰) فدا کے قطعہ ۲ کا شعر ۱ ہے (رک حاشیہ ۸۸) یہ مصرع خارج از وزن ہے اگر مصرع اسی طرح رکھا جائے تو "تَرَقّی" کی جگہ "ترقی" پڑھا جائے گا۔ جو درست نہیں البتہ اگر "سخندانان" کی جگہ "سخنداں" ہوتا تو مصرع درست ہوتا۔

(۱۱۱) فدا نے باقر کے قطعہ ۱ کے شعر ۳ پر اعتراض کیا تھا اس کا جواب دیا ہے باقر نے غالب اور احمد علی کا مقابلہ کیا ہے۔

(۱۱۲) فدا نے باقر کے قطعہ ۱ کے شعر ۹ پر اعتراض کیا تھا (رک ح ۹۰) باقر نے حیثیت بمعنی مرتبہ لکھا تھا فدا نے اس کے معنی علم قرار دے کر اعتراض کر دیا۔ باقر نے جواب میں حیثیت کے معنی اسلوب و وضع کے بتاتے ہیں۔ فدا کا اعتراض بے جا ہے باقر نے صحیح جواب دیا ہے۔

(۱۱۳) باقر کے قطعہ اول کے شعر ۱۱ پر فدا نے اپنے قطعہ ۲ کے شعر ۱۲ میں اعتراض کیا تھا اور لفظ جواب کے استعمال کو غلط بتایا تھا باقر نے جواب دیا ہے لیکن در حقیقت باقر کے قطعے کے شعر ۱۱ و ۱۲ قطعہ بند ہیں اور ان کی نثر اس طرح بنتی ہے۔

"سرسری ہر آنچہ کلک غالب انشا کردہ است۔ ہم لبغور و فکر بسیارے زتحریر جواب خود چو آغا قاصر گشت۔ کوچک ابدالش چرا خویش را با اوستاد خویش رسوا کردہ است"۔

اس میں اعتراض کی گنجائش نہیں ہے لیکن فدا نے اس بات کو نہیں سمجھا اور اعتراض کر دیا۔ باقر کا جواب اس لئے درست ہے کہ فدا کا منشا یہ تھا کہ جواب کے بعد "قاطع برہان" یا "قطعہ غالب" مضاف الیہ مذکور ہونا چاہیے تھا۔ باقر نے جواباً لکھا کہ یہ ضروری نہیں ہے اور مثال میں مولانا جامی کا شعر پیش کیا ہے۔

(۱۱۴) باقر کے قطعہ ۱ کے شعر ۱۲ پر اعتراض فدا نے قطعہ دوم شعر ۱۷ میں کیا تھا۔ (رک ح ۹۲)

(۱۱۵) باقر نے فدا پر قطعہ اول کے شعر ۲۸ پر اعتراض کیا تھا قطعہ ۱ کے شعر ۲۲ تا ۲۴ میں کیا تھا جو ہر نے اپنے قصیدے کے شعر ۳۳ میں باقر کے شعر میں لفظ مصرع پر اعتراض کیا جس کا عین وزن سے خارج ہے (رک ح ۸۰)۔ اشباع کاف پر بھی اعتراض ہے (رک ح نمبر ۳۰، ۴۳، ۶۱ تا ۶۳، ۷۹، ۸۰، ۹۳) آئندہ اشعار میں اشباع کاف سے بحث کی ہے اور حزیں، ظہوری، عرفی اور حافظ کے اشعار سند میں پیش کئے ہیں۔

(۱۱۶) فدا کے مذکورہ شعر پر یہ دوسرا اعتراض عیب تنافر پر مبنی ہے کہ تین کاف پے در پے آکر تنافر پیدا کر رہے ہیں۔

(۱۱۷) فدا کے قطعہ ۱ کے شعر ۱۱ پر اعتراض ہے کہ لفظ تبطیل کا استعمال غلط ہے۔ یہ اعتراض صحیح ہے آئندہ اشعار میں صراحت کی ہے۔

(۱۱۸) باقر کے قطعہ اول کے شعر ۳۴ پر فدا نے اپنے قطعہ ۲ کے شعر ۲۲ تا ۲۶ میں اعتراض کیا ہے۔ اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ شکرانہ کا استعمال باقر نے صحیح کیا ہے۔

(۱۱۹) باقر کے قطعہ اول کے شعر ۲۸ پر فدا نے اپنے قطعہ دوم کے شعر ۲۸ میں اعتراض کیا تھا اس کا جواب دیا ہے (رک ح ۹۶)

(۱۲۰) فدا کے قطعہ اول کے شعر ۲۴ پر باقر نے اپنے پہلے قطعے کے شعر ۱۹ پر اعتراض کیا تھا (رک ح ۳۱) جواہر سنگھ جوہر نے اپنے قصیدے کے شعر ۳۲ میں فدا کی غلطی تسلیم کی ہے۔ فدا نے اپنے قطعہ ۲ کے شعر ۵ میں باقر کا جواب دیا۔ رک ح ۹۵

(۱۲۱) سحن کے قطعۂ اول کے شعر ۱۳ پر فدا نے اپنے قطعہ دوم کے شعر ۳۱ میں اعتراض کیا تھا (رک ح ۱۰۱)

(۱۲۲) رک ح ۱۰۱

(۱۲۳) رک ح ۱۰۲

(۱۲۴) رک ح ۹۸، ۹۹

(۱۲۵) فدا کے قطعہ ۲ کے شعر ۳۲ کا جواب ہے رک ح ۱۰۸۔ باقر نے فدا کے اعتراض کا تصفیہ اچھا کیا ہے۔ لفظ غائب فعل کی خبر ہے تو فعل کیا ہے؟ اگر یہ فعل کی صفت ہے تو ترمیں خوب بات کہی ہے۔

(۱۲۶) فدا کے قطعہ ۲ کے شعر ۱۹ پر اعتراض ہے۔ فدا نے لفظ ہندی از رد ئے طعن استعمال کیا تھا۔ باقر نے اس کا جواب دے کر لفظ تماشا کے استعمال پر اعتراض کیاہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فدا نے اردو محاورہ "تماشا کرنا" کا فارسی میں ترجمہ کردیا ہے۔

(۱۲۷) درویش چھپا تھا۔ درویش چاہیے۔

(۱۲۸) فدا کے شعر ۳۵ پر اعتراض اور اس کا جواب ہے۔ فدا نے از راہ طعن سحن کے متعلق لکھا تھا کہ یہی غنیمت ہے کہ اس نے موزوں شعر لکھے ہیں۔ باقر نے اس کا جواب ان شعروں میں دیاہے۔ اور موزونیت کو جزو شعر قرار دیا ہے۔

(۱۲۹) "داخل جدوی است" غلط چھپا تھا۔ "داخل اجزائے وی است" ہونا چاہیے

سہو ناقل دکاتب ہے۔

(۱۳۰) رک ح ص ۹۸

(۱۳۱) رک ح ص ۱۰۱

(۱۳۲) رک ح ص ۴۸ ، ص ۱۰۲

(۱۳۳) رک ح ص ۱۰۴ ، ص ۱۲۵ "کردہ شد" غلط چھپا ہے صحیح "کردہ است" ہے کیونکہ "کردہ است" ردیف پر اعتراض کیا تھا۔

(۱۳۴) غالب کے قطعے کے شعر ۲۸ پر فدا نے اپنے قطعہ ۱ کے شعر ۴۱ تا ۴۲ میں اعتراض کیا ہے۔ غالب نے "موید برہان" کے تاریخ نویسوں اور تقریظ نگاروں کے متعلق شعر ۲۸ میں ازراہ طنز "غازیؔ" لکھا تھا۔ فدا نے اس طنز کو نظر انداز کر کے حقیقی معنی مراد لیتے ہوئے کہا کہ خدا نے حق بات غالب ہی سے کہلوادی ہے۔ اس کا جواب سحن نے اپنے قطعہ کے اشعار ۱۹ تا ۲۴ میں دیا۔ فدا نے اپنے قطعہ ۲ کے اشعار ۴۳ تا ۵۲ میں جواب الجواب لکھا اور سحن کے "پاسخ دندان شکن" پر بھی اعتراض کر دیا۔ سحن نے پھر جواب الجواب شعر ۱۷ تا ۲۶ میں دیا ہے۔ مزید شرح دیباچے میں دیکھیے۔
(رک ح ص ۱۰۵ تا ص ۱۰۷)

(۱۳۵) باقر کے قطعہ اول کے شعر ۳ پر فدا نے قطعہ ۲ کے شعر ۱۱ میں اعتراض کیا تھا اس کا جواب باقر نے اپنے قطعہ ۲ کے شعر ۱۹ میں دیا اور سحن نے اس کا جواب یہ دیا ہے۔

(۱۳۶) باقر کے قطعہ اول کے شعر ۹ پر فدا نے اپنے دوسرے قطعہ کے شعر ۱۲ تا ۱۶ میں اعتراضات کیے باقر نے اپنے قطعہ ۳ کے شعر ۲۱ ، ۲۲ میں جواب دیا اور سحن نے بھی جواب لکھا۔

(۱۳۷) "تعلیم" چھپا تھا لیکن "علم" ہونا چاہیے۔ یہ سہو کاتب نظر آتا ہے۔

(۱۳۸) اشباع کاف وعیب تنافر کی بحث کے لئے دیکھئے حواشی ۳۰، ۶۲، ۹۵

(۱۳۹) فدا نے باقر کے قطعہ اول کے شعر ۲۸ کا جواب اپنے قطعہ ۲ کے شعر ۲۸ میں دیا ہے (رک ح ۹۶، ۱۱۹)

(۱۴۰) فدا کے قطعہ دوم کا پہلا شعر ہے۔ سخن نے 'ایں بندہ' پر اعتراض کیا ہے اور لہجہ بنگال 'بندۂ' بتایا ہے۔ اس سے تیسرے شعر یعنی شعر ۱۴۲ میں 'بن بندۂ' چھپا ہے یہ سہو کاتب ہے ؛ 'ایں بندہ' چاہیئے۔ فدا کے اس شعر کا پہلا مصرع غالب سے مستعار ہے جو اظہار عجز کی دلیل ہے۔

(۱۴۱) 'دشنام کردن' کے لئے رک ح ۸۹

(۱۴۲) 'سرد انمودن' کے لئے رک ح ۷۰

(۱۴۳) فدا کے قطعہ ۲ کے شعر ۶ کا مصرع اول ؛ لفظ 'واکردن' بود یا باز کا متحد' میں 'بابا' کی تکرار پر اعتراض ہے۔ یہاں عیب تنافر پیدا ہو گیا ہے۔

(۱۴۴) یہ فدا کے قطعہ ۲ کے شعر ۹ کا مصرع اولی ہے۔ سخن کا اعتراض درست ہے کہ 'زاں' کی جگہ 'ازآں' آنا چاہیئے۔

(۱۴۵) یہ فدا کے قطعہ ۲ کے شعر ۸ کا مصرع ثانی ہے۔ سخن نے اس میں نک اضافت بتا کر اصلاح دی ہے۔ مگر یہ غور نہیں فرمایا کہ 'ا' بھی علامت اضافت ہے جو فدا کے مصرع میں موجود ہے۔ البتہ فصاحت سے گرا ہوا ہے۔ سخن نے جو اصلاح دی ہے وہ فصیح ہے۔

(۱۴۶) فدا کے قطعہ ۲ کا شعر ۱۲ ہے۔ سخن کے قطعہ میں بجائے لفظ 'نقطے' چھپا ہے یہ سہو طباعت ہے۔ سخن کا اعتراض صحیح ہے۔ اگر فدا کے قطعہ میں 'جا با' کی جگہ 'جائے' ہوتا تو درست تھا۔ دراصل فدا نے یہاں بھی اردو محاورے کی پیروی کی ہے۔

(۱۴۷) اس سطر میں فدا کے چار شعروں پر اعتراض کیا ہے ؛ 'تبطیل' قطعہ ۱ شعر ۱۱

"موزوں ۲ شعر" قطعہ ۲ شعر ۵۳ " لفظے ۳ " قطعہ ۲ شعر ۳۰ " این ہندی تماشا کردہ است" قطعہ ۲ شعر ۱۶ سخن کے شعر ۲ میں لفظ" بجائے "لفظے" چھپا ہے۔ یہ سہو کاتب ہے۔ تبدیل کے لئے دیکھئے ح ۱۱۷۔ موزوں شعر کے لئے دیکھئے ح ۱۲۸۔ این ہندی تماشا کردہ است کے لئے دیکھئے ح ۱۲۶۔ لفظے کے متعلق دیکھئے ح ۱۲۶۔

(۱۴۸) منشی محمد امیر، امیر تخلص رئیس لکھنؤ جن کا قصیدہ بیانیہ اردو اس کتاب میں شامل انھوں نے بنگالیوں پر خوب طنز کیا ہے اور غالب کی حمایت کی ہے۔ ان کے قصیدے کا عنوان بھی قطعہ ہی لکھا ہے۔ دراصل قصیدہ ہے۔ ان کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

(۱۴۹) "ہے" چھپا ہے جو شاید سہو کاتب ہے۔ وقائع جمع ہے اس لئے "ہیں" ہونا چاہیے۔

(۱۵۰) "ہوتی ہے"۔ سہو کاتب ہے "ہوتی ہے" چاہیئے۔

(۱۵۱) "کہاں یہ سنگ رخام وکہاں درشہوار" چھپا ہے۔ سنگ رخام کے بعد واد عطف نامناسب ہے یہاں اور ہونا چاہیئے۔

(۱۵۲) "سیاہ قلب" سے مراد مولوی عبدالصمد فدا ہیں۔ تیغ حیدر کرار سے مراد غالب

(۱۵۳) غالب نے قطعہ کے شعر ۱۹ میں "سپاہی زادہ" اپنے لئے استعمال کیا ہے فدا نے اس کا جواب اپنے قطعہ ۱ کے اشعار ۳ تا ۲۲ میں دیا ہے اور اس میں آغا احمد علی کے دادا کو نادر کی فوج کا سپہ سالار بتایا ہے۔ امیر لکھنوی نے شعر ۸ تا ۱۲ اس پر خوب جرح کی ہے۔

(۱۵۴) فدا کے قطعۂ اول کے شعر ۴۵ کے مصرع ثانی "ادستاوت خواجہ را لتعلیم جاجا کردہ است" میں جاجا" محل نظر ہے۔ امیر نے اس پر اعتراض بجا کیا

ہے اور ہر جا "اصلاح مناسب ہے۔

(۱۵۶) "اُن" کا املا "اون" لکھا ہے۔ اعراب بالحروف کا طریقہ اس زمانے میں تھا۔ موجودہ طرز املا کے مطابق ہر جگہ ترمیم کردی گئی ہے۔

(۱۵۸) یہ مقولہ شیخ سعدی کا ہے۔ یہاں "بویذ" ہے مگر "بوید" ہونا چاہیے اسی طرح "گوید" کی جگہ "بگوید" ہونا چاہیے۔ معناً تو غلط نہیں لیکن تحریف مناسب نہیں۔

(۱۵۹) ہدایت چھپا تھا۔ ہدایت چاہیے۔ سہو کاتب ہے۔

(۱۶۰) "اکمل الاخبار" دہلی کا ہفتہ وار اخبار تھا خطوط غالب میں اس کا جابجا ذکر ہے۔ غالباً جنوری ۱۸۶۶ء سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ غالب نے بہاری لال مشتاق کو اکمل المطابع کے متعلق لکھا تھا۔

"مگر بہاری لال! اس نونہال باغ دولت یعنی حکیم غلام رضا خاں کے دوام صحبت کو اپنے طالع کی یاوری سمجھو . . . . میاں سچ تو یوں ہے کہ اکمل المطابع، اجل المطابع بھی ہے۔ حکیم غلام نبی خاں مجلہ خوبان روزگار ہیں نکو خو ہے اور نکو کردار ہیں۔ میر فخرالدین آزادمنش اور سعادت مند نوجوان ہیں۔ کم گفتار اور مرنجان مرنج ہیں۔ تم چاروں شخص پیکر صدق و صفا اور مہرو ولا کے چار عنصر ہو۔ جہاں آفریں تم چاروں صاحبوں کو خوشنود و دلشاد اور اکمل المطابع کو بارونق و آباد رکھے" (خطوط غالب ص۵۷۳)

اس سے ظاہر ہے کہ یہ چاروں مطبع سے متعلق تھے مطبع حکیم غلام رضا خاں کا تھا مہتمم میر فخرالدین تھے۔ غالب کی کئی کتابیں یہاں چھپی تھیں۔ سیاح کو لکھا کی خریداری سے متعلق ایک خط ۲۲ مارچ ۱۸۶۶ء کو لکھا ہے:

"پانچ اشتہار اخبار کی خریداری کے اور تین اشتہار کتاب کی خریداری

کے آپ کے پاس پہنچے ہیں۔ چھوٹے صاحب کو ملاحظہ کروا دیتے اور اطراف وجوانب میں دوروزنزدیک بھیجے جو صاحب کتاب و اخبار دونوں کے خریدار ہوں، وہ اس کے خریدنے کی اطلاع کا خط میر فخرالدین مہتمم اکمل المطابع کے نام لکھیں اور وہ خط میرے پاس بھیجدیں، جو صاحب فقط اخبار کے خریدار ہوں وہ اس کی اطلاع کا خط لکھیں۔ (خطوط غالب ص۳۴۳)

یہ اہل مطبع غالب کے حلقے کے حضرات تھے۔

(۱۶۱) حضرت محل واجد علی شاہ والی لکھنؤ کی بیگم تھیں۔ برجیس قدر ان کا لڑکا تھا واجد علی شاہ ۱۸۵۶ء میں تخت سے معزول ہو کر چارہ جوئی کیلئے کلکتہ گئے۔ وہاں سے لندن جانا چاہتے تھے مگر بیماری کی وجہ سے خود تو نہ گئے ان کی والدہ، بھائی اور ولی عہد لندن روانہ ہوئے۔ تاکہ وہاں آئینی طور پر کارروائی کی جاتے۔ لندن میں تگ ودو کی مگر بے سود ثابت ہوئی۔ واپسی میں فرانس میں ماں اور بھائی اور ایک کمسن بھتیجے کا انتقال ہوا۔ ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں نے جنگ شروع کی تو لکھنؤ میں حضرت محل بیگم واجد علی شاہ نے انگریزوں کے خلاف فوج اکٹھی کی، برجیس قدر کی بادشاہی کا اعلان کردیا اور خود اس کی نگران بنیں۔ سارے علاقے کا انتظام سنبھال لیا مگر بعض نمک حراموں کی غداری کی وجہ سے شکست ہوئی یہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ نیپال چلی گئیں۔ نیپال کے راجہ نے بڑی قدر و منزلت سے رکھا۔ انگریزوں کے مطالبے کے باوجود انہیں واپس نہیں کیا۔

(۱۶۲) شاہ دہلی یعنی بہادر شاہ ظفر۔

(۱۶۳) مٹیا بھوس بہت بوڑھا۔ نکما۔

(۱۶۴) " سنایا تھا" چھپا ہے مگر قافیہ کی رعایت سے صرف " سنایا" چاہئے۔

(۱٦۵) ان کے حالات حصۂ شخصیات میں دیکھیے۔

(۱٦٦) لکھنؤ اور کوفہ کے عدد (۱۱۱) ایک سو گیارہ بنتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ اس لئے درست نہیں کہ اس میں کہ جو ہندی اصوات میں ایک مفرد صوت (اور ہندی رسم الخط میں ایک الگ حرف مفرد) ہے اس کے عدد بحساب ابجد (۲۰) بیس ہی ہونے چاہئیں جس طرح گ کے بیس عدد شمار کرتے ہیں ہاتے ہوز کی صوت کھ میں شامل نہیں جو اس کے پانچ عدد شامل کئے جائیں۔ ہمزہ کے عدد نہ پہلے معین تھے اور نہ اب ہیں۔ اصولاً اس کے عدد شمار کرنے چاہئیں اور یہ جس حرف علت کی نمائندہ ہو اس کے عدد لئے جائیں یعنی اً ’الف‘ واؤ اور یائے حطی کی قائم مقام ہوا کرتی ہے لکھنؤ میں اسے الف کا قائم مقام قرار دے کر اس کا ایک عدد شمار کیا جائے گا اس لئے اس کے عدد (۱۰۷) ایک سو سات بنتے ہیں ”کوئی لا ایوفی“ عربی کی ضرب المثل ہے یعنی کوفی وفا نہیں کرتا۔

(۱٦۷) تمہاری تیر جفا کا نشانہ ” چھپا ہے ” تمہارے“ چاہئیے۔ یہ سہو دو وجہ سے ہے ایک تو کاتب نے قدیم طرز تحریر کے پیش نظر یائے مجہول ہی کو بطور معروف لکھ دیا ہو، یا خود مصنف کے قلم سے یہ اس لئے لکھا گیا ہو کہ ذہن میں تیر رہا ہو اور جفا کی مناسبت سے ”تمہاری“ ضمیر تانیث رہ گئی ہو۔

(۱٦۸) کس طرح چھپا ہے ”کسی طرح“ چاہیے۔

(۱٦۹) ”آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں“ ناسخ کا مصرع ہے۔

(۱۷۰) ”جن کا ..... نظیر نہیں“ قدیم روزمرہ کے مطابق ہے۔ آجکل ”جن کی ــــ نظیر نہیں“ استعمال کرتے ہیں۔

(۱۷۲) شمس، زہرہ، مشتری کے لئے حصۂ شخصیات دیکھیے۔

(۱۷۳) ”بانکے جوان والے“ = بانکے جوان دلی والے = لفظ دلی سہواً رہ گیا ہے۔

(۱۷۴) مابون۔ جسے اغلام کرانے کی عادت ہو۔

(۱۷۵) از شیخ سعدی۔

(۱۷۶) "چوپٹیاں" لکھنؤ کے ایک محلہ کا نام ہے۔ "دوگنواں" (دراصل دوگانواں ہے) اور پنج بھیوں کاٹہ بھی دونوں محلے ہیں۔ بحث یہ ہے کہ "چوپٹیاں" کو چوپٹیا لکھنا صحیح ہے یا غلط۔ اہل لکھنؤ غالباً بغیر نون کے لکھتے تھے۔ یوسف مرزا دہلوی نے اس پر اعتراض کیا۔ آغا علی شمس نے اس کا جواب دیا کہ "یہ بھی مثل چورتیا کے ہے" سخن نے "دوگنواں اور پنج بھیوں کاٹہ کے نام نظیر میں پیش کئے۔ اور بتایا کہ "چوپٹیاں" اور "چورتیا" میں فرق ہے۔ "چورتیا" میں الف علامت فاعل بتاتی ہے یعنی وہ باٹ جس کا وزن چار رتی کے برابر ہو اور اس سے تولنے کا کام لیا جاتے۔ سخن نے لکھنوی میں یا (ی) کو علامت فاعل بتایا ہے مگر یہ یائے نسبتی ہے انہیں معنی کی وجہ سے التباس ہوا ہے "گریا" میں اور طبلچی میں بھی اسی کے قائل ہیں۔ یہ علامات فاعل کی نہیں بلکہ اسم فاعل کی ہیں۔ طبلچی میں "چی" علامت ترکی زبان کی ہے جو فارسی میں بھی مستعمل ہے اور اردو میں بھی "چوپٹیاں" جمع ہے اس لئے اس میں نون ہونا چاہئے۔ سخن کا قول درست ہے۔ یوسف مرزا غالب کے قریبی حلقۂ احباب سے متعلق ہیں۔

(۱۷۷) شمس نے اہل دہلی میں سے عوام کے تلفظ پر گرفت کی ہے۔ دراصل یہ لہجہ کی بات ہے شمس کی یہ گرفت دقیع نہیں اور سخن نے اس کا جواب معقول دیا ہے اور اہل لکھنؤ کے عوامی لہجے کے ساتھ ساتھ وہاں کے روزمرہ پر بھی گرفت کی ہے۔ اہل لکھنؤ بازار کو مؤنث اور فکر کو مذکر استعمال کرتے ہیں تحریر میں بھی اور تقریر میں بھی۔ اہل دہلی پر جو گرفت ہے وہ صرف عوامی لہجہ کی بات ہے۔ تحریر میں اہل دہلی یہ لغزشیں نہیں کرتے۔ "نہ جاؤ" اور "مت جاؤ" میں "مت جاؤ" اس لئے فصیح ہے کہ "مت" علامت نہی ہے اور "نہ" علامت نفی۔ نہی اور نفی میں تمیز لازمی ہے۔ اہل لکھنؤ نے تمیز باقی نہیں رکھی

اہل دہلی نے تحریز وتخصیص کو لازمی قرار دیا۔

(۱۷۸) مومن کا شعر ہے : (دیوان مومن صہ۴۹ مرتبہ ضیا بدایونی مطبوعہ الٰہ آباد)

اے جذب دل بہ ستم با کہ نہ ٹھہرا دہ شعلہ رو
آیا تو گرم گرم ولیکن چلا گیا!

سخن کے مضمون میں مصرع تحریف شدہ حالت میں ہے۔ بشمس لکھنوی نے اسی طرح نقل کیا ہوگا۔ یہ مصرع قابل اعتراض نہیں بشمس کے اعتراض کی نوعیت معلوم نہ ہو سکی بظاہر نفس مضمون میں رکاکت پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہوگی۔

(۱۷۹) اس کے مصرع ثانی کا آہنگ اس لئے درست نہیں کہ اس میں کہ کھینچ کر پڑھا جاتے تو وزن درست ہوتا ہے اور یہ اشباع درست نہیں۔ دوسرے "جہاں" کا نون تقطیع میں شمار ہی نہیں ہوتا اگر الف ساقط کیا جائے تو درست ہوگا ایسے مواقع پر سقوط الف جائز نہیں۔ یہ دو عیب اس مصرع میں ہیں اور انہوں نے آہنگ کو خراب کر دیا ہے۔

(۱۸۰) انگشت" بالاتفاق مؤنث ہے۔ ان کے ہاں مذکر ہے۔ اگر یہ سہو کاتب نہیں تو جائے تعجب ہے۔

(۱۸۱) "سمت" چھپا ہے "سست" چاہیئے۔

(۱۸۲) "بتیوں" چھپا ہے "پتلیوں" چاہیئے۔

(۱۸۳) یہاں عبارت گنجلک ہے کہ "تصویر بنانا" سے کیا مراد ہے۔ بشمس نے اس کے متعلق کیا لکھا تھا؟ "تصویر بنانا" اکثر نے باندھا ہے۔ مثلاً

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

محاورے میں تصویر بننا اور بنانا۔ بنا و سنگار کرنا۔ آرائش وغیرہ کے معنی میں آتا

ہے۔ اور شبیہ تیار کرنے کے لئے تصویر بنا نا درست نہیں ہے۔ بت بنانا۔ پتلی بنانا،
مورت بنانا درست ہے۔ غالب نے تصویر کھینچنا ہی نظم کیا ہے۔

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے، کہ تا!
تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت دیدار ہے

سٹمس کا اعتراض غلط اور سخن کا جواب درست ہے۔

(۱۸۴) "پیکر تصویر کا غذی استاد کا مقصود ہی مآل ہے" چھپا ہے یہ جملہ ناقص ہے
درست اس طرح ہے" پیکر تصویر سے کاغذی تصویر ہی استاد کا مقصود و مآل ہے"۔

(۱۸۵) "اَرقام" جمع رقم کی اور "اِرقام" مصدر بمعنی لکھنا، تحریر کرنا ہے بہادر شاہ ظفر
کے قصیدے میں اسے نظم کیا ہے:

تیرے توقیع سلطنت کو کبھی — دی بدستور صورت اِرقام
کاتب حکم نے بموجب حکم — اس رقم کو دیا طراز دوام

یہاں تحریر کرنے کے معنی میں بکسرۂ الف "اِرقام" ہی ہے۔ سٹمس کی گرفت بے جا ہے۔
سخن نے دونوں توجیہیں بتا کر اگرچہ پڑھنے کا فیصلہ سٹمس پر چھوڑ دیا ہے لیکن "رقم" کی
کی جمع "اَرقام" سے بھی یہاں مطلب لیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کے معنی تحریر و خط ہیں
یہاں بحث عربی کی نہیں۔ یہ اردو اور فارسی کا تصرف مانا جائے گا اور اس شعر میں
"اِرقام" بکسرۂ الف ہی درست ہے۔

(۱۸۶) "اپنی مکتوبات" چھپا ہے "اپنے مکتوبات" چاہیئے۔

(۱۸۷) میرزا جعفر کی شادی کے قطعہ تاریخ میں لفظ "مادہ" غالب نے نظم کیا ہے:

خجستہ انجمن طوی میرزا جعفر
کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ

ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب
نہ کیوں ہو مادۂ سال عیسوی "محفوظ"
۱۸۵۴

"مادّہ" بروزن جادّہ درست ہے۔ سخن نے مفصل بحث کی ہے۔ شمس کا قول اُٹھ نہیں؛ "مادّہ" کا وجود ہی نہیں ہے۔

(۱۸۸) صراح عربی کی مشہور لغت ہے۔

(۱۸۹) ناف زمین ہے یہ نہ کہ ناف غزل ہے؛ "غزال" کی جگہ "غزل" سہو کاتب ہے غالب کا شعر ہے:

مشکیں لباس کعبہ، علی کے قدم سے جان
ناف زمین ہے، نہ کہ ناف غزال ہے

شعر کی یہ قرأت مسلم ہے۔ سخن نے مصرع غلط لکھا ہے۔ توجیہ کرکے مصرع کا خون کردیا ہے۔ غالب نے اعلان نون کرکے اردو کا عمل دخل دکھایا ہے۔ بحالت مرکب ایسے ہی مواقع پر نون کو اساتذہ نے غلط اور معیوب بتایا ہے۔ غالب کا شعر ہے:

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار میں
فرمانروائے کشور ہندوستان ہے

گویا غالب اس اعلان نون کو جائز سمجھتے تھے۔

(۱۹۱) سید محمد مجتہد لکھنو۔ ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ غالب سے ان کے مراسم تھے اور غالب کو ان سے گہری عقیدت تھی۔

(۱۹۲) سخن نے یہ غزل برائے امتحان پیش کی ہے اس کی ردیف مشکل ہے۔ جس کا نباہنا کوئی آسان بات نہیں۔ ساتھ ہی قافیہ ایسا ہے جو بہت آسان ہے لیکن سحاب و آئینہ کے ساتھ اس کا لانا مشکل ہے۔ بعض شعر اس زمین میں بہت اچھے نکالے ہیں۔ یہی حال دوسری غزل کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ شمس لکھنوی نے اس کا جواب نہیں لکھا ہوگا۔

(۱۹۳) "مورخہ ۲۵ ماہ، ۱۸۷۶ء" غلط چھپا ہے۔ صحیح "مورخہ ۲۵ ماہ جون ۱۸۶۷ء" ہے یہ سہو کاتب و ناقل ہے۔

(۱۹۴) ہر مصرع سے تاریخ نہیں نکلتی جیسا کہ آئندہ واضح کیا جائے گا۔ شعر ۸ کے مصرعِ اول اور شعر ۹ کے مصرع ثانی سے کوئی سنہ نہیں نکلتا۔ "عیسوی آید" چھپا ہے "عیسوی برمی آید" چاہیئے۔

(۱۹۵) صنعت توشیح۔ وہ صنعت ہے کہ مصرعوں یا شعروں کے ابتدائی حرف ملانے سے کوئی نام بن جائے جو شاعر کا مقصود ہو۔ سخن نے اس صنعت سے اعداد حروف جمع کر کے سنہ نکالا ہے۔ ہر مصرع کے ابتدائی حرف کے عدد جمع کر لئے جائیں تو ۱۲۸۴ھ نکلے گا۔

(۱۹۶) "بعمر طبعی" یعنی ایکسو بیس سال کی عمر۔ اس کی جگہ عمر طبیعی بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۹۷) فرزند کے بعد واؤ چھپا ہے لیکن "ز" چاہیئے۔ واؤ سے ایک عدد کی کمی ہو جاتی ہے اور معنی بھی درست نہیں رہتے۔

(۱۹۸) اس مصرع میں "آنکہ" کے عدد (۷۲) لئے گئے ہیں۔ یعنی "آ" کے دو شمار ہوئے ہیں اور ہائے مختفی کا کوئی عدد نہیں لیا گیا۔
اسی طرح شعر ۳ کے پہلے مصرع میں "آنکہ" کے (۷۲) عدد لئے گئے ہیں۔

(۱۹۹) اس مصرع کے ۱۲۸۳ عدد بنتے ہیں ۱۲۶۴ غلط چھپا ہے ۱۲۸۴ ہے۔ یہ سہو کاتب ہے۔ اسی طرح شعر ۱۲ کے مصرع ثانی کے عدد ۱۲۸۳ ہیں۔ ۱۲۸۴ چھپا ہے۔

(۲۰۰) ۱۸۱۷ سہو کاتب ہے۔ ۱۸۶۷ عیسوی صحیح ہے۔

(۲۰۱) "حمید" غلط چھپا تھا "صمد" ہے۔ بلحاظ قافیہ و اعداد جمل۔

(۲۰۲) اس مصرع سے ۱۸۶۶ء عدد نکلتے ہیں۔ اگر مصرع کی جگہ مصراع خیال کیا جائے

تو عدد پورے ہو جائیں گے مگر بلحاظ عروض الف کا لانا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس کا وزن مفتعلن مفتعلن فاعلن ہے۔

(۲۰۳) اس مصرع کے عدد ۱۲۸۲ ہیں اگر بندۂ اور رؤف کی ہمزہ کا ایک ایک عدد لیا جائے تو ۱۲۸۴ ہو جائیں گے لیکن ہمزہ کے عدد معتبر نہیں (رک حر ۱۹۶) میرے خیال میں یہاں ہمزہ کا ایک عدد شمار کر لینے میں مضائقہ نہیں۔

(۲۰۴) اس مصرع سے سنہ ہجری برآمد نہیں ہوتا۔ "دس سال" چھپا ہے۔ "دہ سال" چاہئے کیونکہ فارسی میں "دس" نہیں ہے "دہ" ہے۔ "دہ" خیال کر کے اس کے عدد ۱۲۲۳ بنتے ہیں۔ اور "دس" سے ۱۲۷۸۔ یہ دونوں مطابق نہیں۔ میرے خیال میں سخن نے اس مصرع سے تاریخ نہیں نکالی بلکہ سہواً کاتب نے ۱۲۸۴ لکھ دیا ہے کیونکہ توشیح کے مطابق یہاں سنہ ۱۲۸۴ پورا ہوتا ہے۔ کاتب نے اس کو مصرع کے عدد خیال کر کے دونوں جگہ لکھ دیا۔

(۲۰۵) فن تاریخ گوئی میں کمی وبیشی جائز نہیں ہے۔ اس کمی وبیشی کے پیش نظر تعمیہ و تخرجہ کا اصول وضع ہوا کہ کم ہو تو مصرع اول میں یا مناسب موقع پر کم عدد جمع کرنے کا اشارہ کر دیا جائے۔ زاید ہو تو اس کے گھٹانے کا اشارہ ہو جائے۔ سخن کے اس قطعے میں نو شعر ہیں۔ کل اٹھارہ مصرعے ہوتے ہیں۔ جن میں سے بارہ مصرعوں سے صحیح تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ تین مصرعوں میں ایک ایک عدد کم ہے۔ اور ایک مصرعے میں دو عدد کم ہیں لیکن اس میں ہمزہ کے عدد لئے جائیں تو پورے عدد ہو جاتے ہیں۔ دو مصرعوں سے سنہ برآمد نہیں ہوتا۔ صنعت توشیح میں کوئی سقم نہیں۔ اس لحاظ سے سخن نے کافی محنت سے کام کیا ہے اور لائق تعریف ہے۔

(۲۰۶) سعدالدین تفتازانی مشہور عالم ان کی کتاب علم معنی وبیان میں مشہور ہے۔

(۲۰۷) اللہ اس کی قبر کو رونق بخشے اور اس کا ٹھکانہ جنت ہو۔

(۲۰۸) یہ عبارت نہایت غلط چھپی تھی۔ بڑی دقت سے اس کی درستی کی گئی ہے۔
"بیشک اس فن کی لطافتیں پانی کی طرح زمین میں جذب ہو گئیں اور
یہ فن بغیر اثر کے ایک جنگ کی صورت اختیار کر گیا اور اس کی لطافتیں
ختم ہو گئیں اور بید کی طرح بے ثمر ہو کر رہ گیا ہے۔ حتیٰ کہ اصحاب سلف
کے آثار بھی باقی نہ رہے۔ اور اس فن کی مشکلات (اصول و قواعد) گویا
سواریوں کی گردنوں پر بوجھ بن گئیں۔ یعنی ان کا حصول طبیعتوں
پر بار بن گیا ہے۔"

(۲۰۹) یہ جملہ بھی غلط چھپا تھا۔ درستی کی گئی "علی موالد ھو والا عصار" چھپا
تھا۔ ترجمہ = زمانوں کے شروع کے وقت یعنی ابتدائے آفرینش کے وقت سے۔

(۲۱۰) غلط چھپا تھا۔ درستی کی گئی۔ ترجمہ: فضل و کمال کے طور طریقہ میں الخطاط
میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

(۲۱۱) اس شعر کے پہلے مصرع میں "ملامت کی جگہ" علامت" غلط چھپا تھا۔ اور بر سر
فرہاد کی جگہ "برسرے فرہاد" غلط چھپا تھا۔

(۲۱۲) اے صاحبان نظر عبرت حاصل کرو۔

(۲۱۳) ترجمہ: صاف صاف گواہیوں کے مطابق۔

(۲۱۴) "وبا للہ التوفیق وبیدہ ازمن التحقیق" غلط چھپا تھا۔ ترجمہ = اللہ تعالیٰ
کو سب توفیق ہے اور اس کے قبضہ میں تحقیق ہے۔

(۲۱۵) ترجمہ: تو سمجھ اور غور و فکر کر۔

(۲۱۶) غالب کا شعر ہے۔

ایماں مجھے روکے ہے، جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

شمس کا اعتراض نہایت پست ہے اس اعتراض سے ان کے مذاق شعری کی پستی صاف ظاہر ہے۔ باقر نے خوب جواب دیا ہے۔

(۲۱۷) "خیالیت" غلط چھپا تھا۔ "بحالت" چاہیئے۔ متن میں تصحیح کر دی گئی۔

(۲۱۸) یہ آیات سورہ یوسف کی ہیں۔ جب زلیخا کی نیت خراب ہوئی اور حضرت یوسف اس کے ارادے سے واقف ہو کر محل سے چلنے لگے تو زلیخا نے ان کی قمیص کا دامن پیچھے سے پکڑ لیا۔ زلیخا نے آپ کو مورد الزام قرار دیا تو گواہی دینے والے نے کہا کہ اگر یوسف کا دامن آگے سے پھٹا ہے تو زلیخا سچی ہے اور یوسف جھوٹے، اور اگر دامن یوسف پیچھے سے پھٹا ہے تو یوسف سچے اور زلیخا جھوٹی ہے۔ اس عبارت میں کئی جگہ غلطی واقع ہوئی ہے۔ "معنی ہٰذہ الکریمہ" چھپا ہے "معنی ہٰذہ الآیۃ الکریمۃ" چاہیئے۔ آخر میں محل "چیست" کا ہے۔ "بینوا و توجروا" تم بیان کرو اور اللہ سے اجر پاؤ۔

(۲۱۹) غالب کا شعر ہے:

عشق نے پکڑا نہ تھا غالبؔ ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری، ہائے ہائے

شمس کا اعتراض نہایت لچر اور سوقیانہ مذاق کا آئینہ دار ہے۔

(۲۲۰) الف بالف مکسور کبھی عادی ہونا خوگر ہونا ہے۔ یہاں بطور اسم بمعنی عادت و خو استعمال ہوا ہے۔

(۲۲۱) مرزا محمد حسن قتیلؔ اہل ہند میں فارسی کے مستند استادوں میں سے ہیں۔ رک حصۂ شخصیات۔

(۲۲۲) "اوستاد الاستاد" چھپا ہے "استاذ الاستاذ" چاہیئے۔ عربی ترکیب میں اسی طرح ہونا چاہیئے۔

(۲۲۳) "پیر دانش" چھپا ہے۔ "پیر دانش" چاہیئے۔

(۲۲۴) "اوستاذ الاستادش" غلط چھپا ہے۔ "استاذ الاستاذش" چاہیئے۔ رک ح ۲۲۲۔

(۲۲۵) رک ح ص۱۸۹ مفصل بحث کی جاچکی ہے۔

(۲۲۶) رک ح ۱۸۵ مفصل بحث کی جاچکی ہے۔ "دسے" "غلط" چھپا ہے "دی" درست ہے۔ یہ درست ہے کہ عربی میں یہ نہیں۔ لیکن یہاں تصرف اردو فارسی ہے۔ اور جب تصرف کرکے اسے قبولیت عامہ کی سند مل گئی تو پھر وہ بمنزلہ لفظ صحیح ہے۔ اور اس کا استعمال فصیح و درست ہے۔ بشمس نے از روئے زبان عربی اعتراض کیا ہے۔ اردو کو نظر انداز کردیا ہے۔ اردو لغات میں یہ لفظ شامل ہے۔

(۲۲۷) "ارقام راصد جایش آورد" غلط چھپا ہے۔ "ارقام را زصد جا بیش آورد" چاہیئے۔ مجتہد ثانی، بارنہ ضیغیہ، کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ مولوی سبحان علی خان کنبوہ، نورالدین، حکیم محمد رازی کے متعلق بھی کوئی سراغ نہیں ملا۔ قرابادین قادری۔ طب کی کتاب ہے۔ "حمیات" گرمی سے متعلق بحث۔ بخار وغیرہ کا بیان۔

(۲۲۸) رک ح ۱۸۷ باقر نے اس کے متعلق مفصل بحث کی ہے اور عمدہ دلائل پیش کئے ہیں۔ "محفوظ" غلط چھپا تھا۔ "محظوظ" ہے۔ اس مصرع میں الف ساکن ہے۔ تقطیع اس طرح ہوگی۔

نہ کیو ہوا ، ذرۂ سا ، لِ عیسوی ، محظوظ

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

(۲۲۹) "اس کو سکون ساکن باندھا" غلط چھپا ہے۔ "اس کو ساکن باندھا" چاہیئے۔

(۲۳۰) یہ عبارت اس طرح چھپی تھی۔ "الی آخر ما اتی بالتحقیقات الانیقۃ" درستی

کی گئی۔ ترجمہ: اس کے آخر تک، میں عجیب وغریب تحقیقات کی حفاظت کرتا ہوں یعنی میں مکمل تحقیقات پیش کرتا ہوں۔

(۲۳۱) "کوس لمن الملکی" چھپا تھا۔ "کوس لمن الملک" چاہیئے۔

(۲۳۲) یہاں مفعول کے بعد لفظ "مادہ" چاہیئے۔

(۲۳۳) تقاضائے مفہوم یہ ہے کہ "بدال مشدد" ہو۔

(۲۳۴) یہاں "مواد" "مواد" چھپا ہے۔ اس میں ایک مواد زاید ہے۔ متن میں تصحیح کی گئی۔

(۲۳۶) "می آمد" چھپا تھا۔ "می آید" چاہیئے۔

(۲۳۷) "ماید" چھپا تھا "می آید یا میاید" چاہیئے۔

(۲۳۸) عربی عبارت اس طرح چھپی تھی؟ فافہم وتدبر ولاتکن من الجاہلین۔ والعجبا من ہذا القایل" جو غلط ہے۔ ترجمہ: تو سمجھ اور غور وفکر کر اور جاہلوں میں سے نہ ہو اور ایسے قایل پر تعجب ہے۔

(۲۳۹) "فی بین" کی جگہ "تبیین" چاہیئے۔

اس کے بعد باقرنے شمس اور قتیل پر اعتراضات کئے ہیں جو درست ہیں۔

ترجمہ: واضح ہو کہ اب اس کی بعض بے سروپا باتیں تفریح قلوب کی خاطر بیان ہوتی ہیں اور ناظرین کی نشاط طبع اور سننے والوں کی افزائش شوق کے لئے بعض عیوب کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۲۴۰) سیاح سے مراد میاں داد خاں سیاح ہیں۔ دیکھئے حصہ شخصیات۔

(۲۴۱) "مامیگویم" سہو کاتب ہے "مامی گوئیم" چاہیئے۔

(۲۴۳) "الوفاحتہ" سہو کاتب ہے "الوقاحتہ" چاہیئے۔ ترجمہ: اس بے حیائی کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔

(۲۴۴) "دیر اہل خبرت ظاہر است کہ قیاس در محاورہ پیش ہمی رود" یہ قول قتیل ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ محاورہ میں قیاس نہیں چلتا۔ مرزا قتیل نے زبردستی کی ہے

(۲۴۵) یہ عبارت گنجلک ہے۔ اس کی ایک قرأت یہ بھی ہوسکتی ہے: زیرا کہ لفظ "غوغا" دال بر ہجوم و ازدحام خلائق است و موجود فیہما بودن بعید نیست۔

(۲۴۶) اصل میں "سرخرو" غلط چھپا ہے "سرفرو" چاہیے۔

(۲۴۷) "بگوش حوزدہ باشد" غلط ہے "بگوش خوردہ باشد" چاہیے۔ یا "بگوش اوزدہ باشد" زیادہ بہتر ہے۔

(۲۴۸) غالب کے قطعہ کا شعر ۲۶ ہے۔

(۲۴۹) "برمدبر منشیان" بے محل ہے "برتدبر منشاں" چاہیے۔

(۲۵۰) عیسوی تاریخ ۲۸ جولائی ۱۸۶۷ء ہے۔

غالب کے بارے میں اہم مطبوعات

فلسفہ کلام غالب	ڈاکٹر شوکت سبزواری
غالب، فکر وفن	ڈاکٹر شوکت سبزواری
غالب، ایک مطالعہ	پروفیسر ممتاز حسین
غالب نام آور۔	سہ ماہی "اردو" میں غالب سے متعلق شائع شدہ مضامین کا انتخاب
مہر نیم روز (اردو ترجمہ)	پروفیسر عبدالرشید فاضل
سہ ماہی "اردو" غالب نمبر ۱۹۶۹ء	
ہنگامۂ دل آشوب	مرتبہ سید قدرت نقوی

انجمن ترقی اردو پاکستان
بابائے اردو روڈ ۔ کراچی

ہنگامۂ دل آشوب مرتبہ سید قدرت نقوی